حکیم سید امین الدین احمد قادری خوشحالی رح

تذکرہ

حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ

نعرہ انا الحق اور مسئلہ وحدت الوجود پر ایک لاجواب تصنیف

SEERAT FOUNDATION LAHORE
سیرت فاؤنڈیشن

سیرت فاؤنڈیشن
۸۵۵۔این، سمن آباد، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تذکرہ

حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ

تذکرہ

حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ

نعرہ انا الحق اور مسئلہ وحدت الوجود پر ایک لاجواب تصنیف

مصنف:
حکیم سید امین الدین احمد قادری خوشحالی

سیرت فاؤنڈیشن
۸۵۵ - این - سمن آباد - لاہور

marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب : تذکرہ حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ
مصنف : حکیم سید امین الدین احمد قادری خوشحالی
ناشر : سیرت فاؤنڈیشن ○ لاہور
طابع : کارواں پریس ○ لاہور
اشاعت : ربیع الاول ۱۴۲۴ھ بمطابق مئی ۲۰۰۳ء
تعداد : پانچ سو
قیمت : ۱۲۰/- روپے

○

بسعی و اہتمام

نصر اقبال قریشی

سیرت فاؤنڈیشن ۔ لاہور فون ۷۵۶۰۸۸۲

○

تقسیم کار

○ دربار بک شاپ ۔ دربار مارکیٹ ۔ گنج بخش روڈ ــــ لاہور
○ المعارف ــــــــ گنج بخش روڈ ــــ لاہور
○ ضیاء القرآن پبلی کیشنز ــــــــ گنج بخش روڈ ــــ لاہور
○ ۔ ۔ ۔ ــــــــ اردو بازار ــــ کراچی
○ نظامی کتب خانہ، دربار حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ ۔ پاکپتن شریف

فہرست مضامین

☆	انتساب	۵
☆	فہرست مضامین	۷
☆	دیباچہ	۹
☆	تعارف	۱۱
☆	تقریظ	۱۳
باب اول:	حالات زندگی	۱۷
باب دوم:	خرقِ عادات وکشف وکرامات	۳۳
باب سوم:	اقوال وملفوظات منصورؒ	۴۷
باب چہارم:	منصور حلاجؒ کے متعلق بزرگان دین کے اقوال	۵۵
باب پنجم:	کلام منصورؒ	۶۹
باب ششم:	انتخاب کلام متعلق منصور حلاجؒ	۷۱
باب ہفتم:	منصورؒ کے نعرہ ''انا الحق'' کی تعبیرات وتوجیہات	۷۷
باب ہشتم:	منصور حلاجؒ کے متعلق رویائے صادقہ	۸۷
باب نہم:	وہ ہستیاں جن کو منصور وار سزا دی گئی	۹۱
باب دہم:	بیان وحدت الوجود (مع رسالہ تحفہ مرسلہ شریف)	۱۱۱
☆	کلام منظوم در بیان وحدت الوجود	۱۴۶
☆	قائد وشیخ	۱۶۵

انتساب

پاکستان میں اسلام اور اسلامی تصوف

کے موضوع پر معیاری کتب کی اشاعت کے لیے

الحاج **محمد ارشد قریشی** رحمۃ اللہ علیہ

کا نام ہمیشہ محترم رہے گا۔

سیرت فاؤنڈیشن کی طرف سے شائع کردہ یہ سلسلہ کتب

اُن کی یاد سے وابستہ ہے۔

سیرت فاؤنڈیشن کی تمام مطبوعات کی اشاعت میں
خصوصی معاونت کے لیے ادارہ
محترم جناب سردار محمد فیصل خان چشتی صاحب
کا بے حد ممنون ہے۔

دیباچہ

ورق سوز و قلم بشکن سیاہی ریز و دم در کش
حمید ایں قصہ عشق است و در دفترنمے گنجد

حضرت منصور حلاجؒ کے نعرۂ اناالحق کی تصدیق یا تکفیر کرنا تو علماء کرام اور مفتیان عظام کا حق ہے اور ان کے مسلک کے جواز اور عدم جواز کا فیصلہ کرنا اولیائے کرام اور صوفیہ عظام کا مقام ہے میں نے تو ان کے حالات سے متعلق جو حقائق و معلومات کتب تواریخ و تصوف سے فراہم ہو سکیں ان کو ترتیب دے دیا ہے۔

چونکہ اکثر صوفیا کا خیال ہے کہ منصور کے نعرۂ اناالحق کا تعلق نظریہ وحدۃ الوجود سے ہے اس لئے اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر ایک علیحدہ باب یعنی باب یازدہم میں اس کے مفہوم و معانی پر بڑی وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلہ میں بیشتر متقدمین اور متاخرین علماء اور مشائخ کی وہ تشریحات و توضیحات جو انہوں نے اس موضوع سے متعلق اپنی تصنیفات و تالیفات اور اقوال و ملفوظات میں بیان کی ہیں حتی المقدور بڑی کاوش اور جستجو سے یکجا پیش کر دی ہیں تاکہ قارئین کرام ان کو بغور پڑھنے کے بعد یہ اندازہ کر سکیں کہ یہ مسئلہ نصوص قرآنی سے ثابت اور تصوف اسلامی کے عین مطابق ہے اور ایمانیات میں شامل نہ ہوتے ہوئے بھی اعتقادیات سے کس قدر قریب ہے نیز اس مسئلہ کے جن پہلوؤں اور غلط فہمیوں سے زندیقیت و گمراہی کا احتمال ہے ان کی بھی بڑی وضاحت سے نشاندہی کر دی گئی ہے تاکہ صداقت و ضلالت میں تمیز ہو سکے۔

اور اس تالیف کی یہ ایک منفرد اور ممتاز خصوصیت ہے کہ جہاں اس میں حسین بن منصور حلاج کی زندگی کے ہر گوشے اور پہلو کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہاں مسئلہ وحدۃ الوجود سے متعلق کافی معلومات فراہم کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ **السعی منی والا تمام من اللہ۔**

میں اپنے کرم فرما مناظر اسلام عارف باللہ حضرت صوفی محمد اللہ دتہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ محترم جناب حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ۔ مکرمی جناب علامہ اقبال احمد صاحب فاروقی۔ جناب مولوی محمد شفیع صاحب رضوی جنہوں نے اس سلسلہ میں میری اعانت فرمائی اور بالخصوص اپنے فاضل دوست محترم جناب علامہ مرزا غلام قادر بیگ صاحب لاہور کا بہت شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنے کتب خانہ سے بڑی نادر کتب عنایت فرمائیں اور بہت قیمتی مشورے دیئے۔

احقر الانام
حکیم سید امین الدین احمد قادری خوشحالی
خلف، استاذ الاطباء
مولانا حکیم سید شہاب الدین احمد مرحوم و مغفور
۲۳۹ شاد باغ، لاہور۔

تعارف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سید السادات فخر الاطباء محبوب العارفین حضرت قبلہ حکیم سید امین الدین احمد شاہ صاحب کی تصنیفات (۱) تجلی ہجویر (قدس سرہ) (۲) تذکرہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ اور بالخصوص (۳) تذکرہ حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ نصیب ہوا جن کی تصنیف میں موصوف نے ظاہری اور باطنی محنت فرمائی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب پر مخدوم الامم حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی نظر کرم ہے۔

تذکرہ حسین بن منصور حلاج میں آپ نے مسئلہ وحدت الوجود کی بے مثال تشریح فرمائی ہے، امثلۂ واضحہ سے بھی اس مشکل ترین مسئلہ کو آسان فرمایا ہے۔ وحدت الوجود اور وحدۃ الشہود کا فرق بھی بیان فرمایا ہے، اولیائے قادری اور اولیائے چشتی رحمہم اللہ وحدۃ الوجود کے قائل ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ دریائے وحدت ہی حقیقی وجود سے متصف ہے۔ موج، حباب، تعنیات، تشخصات عوالم اجناس کا عارضی وجود ہے جس کو وجود ممکنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اصل وجود واجب ہے ہاں پردہ ہائے ممکنات میں اس کا ظہور ہے یہ اس کے اپنے تنزلات ہیں۔ وجود مطلق سے بھی وہی متصف ہے۔ وجود واجب سے بھی وہی متصف، مرتبہ احدیت میں بھی وہی جلوہ گر، مرتبہ وحدت میں بھی وہی جلوہ گر، یہی حقیقت محمدیہ ہے

(صلی اللہ علیہ وسلم)۔ مرتبہ احدیت میں بھی وہی جلوہ گر، پردہ ہائے ارواح میں بھی وہی جلوہ گر۔ پردہ ہائے عالم مثال میں بھی وہی جلوہ گر، پردہ ہائے اجسام میں بھی وہی جلوہ گر، گویا در پردہ وہی ہے۔ ان استار و الباس کا وجود اعتباری ہے ہاں کہیں تجلیات اسماء کا ظہور ہے، کہیں تجلیات صفات کا ظہور ہے اور کہیں تجلیات ذات کا ظہور ہے۔

موجود جو ہے جگر میں اسم وصفات حق ہے
اسم وصفات کیا خود عین ذات حق ہے

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ طالبانِ راہ سلوک اور عوام خواص کو حضرت حکیم صاحب کی تحقیقی تصنیفات سے مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے، نیز حضرت حکیم صاحب کو اللہ تعالیٰ تندرستی عطا فرمائے۔ خاتمہ بالخیر ہو۔ آمین ثم آمین !بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

خاکپائے اولیاء
مفتی محمد مختار احمد درانی
مہتمم !جامعہ عربیہ سراج العلوم، خانپور
ضلع رحیم یار خاں

مکرم و محترم فاضل جلیل، آشنائے رموز احدیت حضرت مولانا مفتی محمد مختار احمد صاحب درانی مہتمم جامعہ عربیہ سراج العلوم ضلع رحیم یار خاں۔

تقریظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدلله الذی هدانا لهذا وما كنا لنهتدی لولاان هدانالله لا اله الا الله وحده لاشريك لهٗ لهٗ الملك وله الحمد يحيى ويميت وهوحى الايموت بيدهٖ الخير وهوعلٰى كل شيىءٍ قدير. والصلوٰة والسلام علٰى صاحب قاب قوسين ، فخر كونين، افضل الانبيا، برهان الاصفياء، ناطق كلام الٰهى، واقفِ اسرار لامتناهى سيدّ المرسلين خاتم النبيين محبوب رب العٰلمين ﷺ وعلى الهٖ واصحابهٖ اهل التقى و اولياء امتهٖ اجمعين وبارك وسلم. اما بعد۔

وحدانیت ایک ایسی نعمت ہے جسے قبول کرنے کے بعد انسان کو ہر ایک مصیبت سے نجات ملتی ہے حتی کہ انسان کے لئے اس دنیا میں آنے کے اصل مقاصد عظمٰی تک پہنچنے کی راہ آسان اور مکمل ہو جاتی ہے۔ اسی وحدانیت کو قبول کرنے سے انسان کے اندر پیدا ہونے والے خطرات کا قلع قمع ہو جاتا ہے چاہے وہ شرک جلی ہو، یا خفی۔ وحدانیت کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان خدائے رب قدیر وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ربوبیت کا قائل ہو جاتا ہے تب انسان شرک کی جن زنجیروں میں جکڑا ہوتا ہے ان سے چھٹکارا حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ وہ بحر عمیق ہے جس کی نہ

کوئی گہرائی ہے نہ ہی کوئی اس کا حد و ساحل .... اس سمندر وحدانیت کے جتنے غوطہ زن آئے ان میں سے کسی نے ڈوب کر کھال کھچوائی اور کسی نے سولی پر چڑھ کر انا الحق کا تماشہ دیکھا۔

جب کوئی صاحب قلم اسے تحریری صورت دینے کی کوشش کرتا ہے تو اسے وحدۃ الوجود کی صورت میں پیش کرتا ہے تو کوئی اسے وحدۃ الشہود کہہ کر ہر رنگ میں دکھاتا ہے۔ بہر حال یہ وہ سمندر ہے جس کا کوئی ساحل ہی نہیں۔ اگر ساحل کے نام پر کوئی جگہ ہے تو حضرت کلیم اللہ موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کا وہ جواب جو افلاطون کے سوال کے جواب میں دیا تھا۔ اس کا واقعہ یوں ہے کہ ایک مرتبہ افلاطون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر آسمان کمان بن جائے، حوادث تیر بن جائیں اور خدائے تعالیٰ تیر انداز ہو تو اے موسیٰ علیہ السلام آپ بتائیں کون اس تیر انداز سے بچ سکتا ہے؟ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو تیر انداز کے قریب ہو جائے وہ بچ سکتا ہے، سبحان اللہ کیا واحد طریقہ ہے۔ امنت باللہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سنت مصطفیٰ ﷺ کے دامن کو مضبوطی سے تھام لو، یہی ایک واحد طریقہ ہے اپنی نجات اور خداوند تعالیٰ کے قریب ہونے کا۔

مصنف کتاب "تذکرہ حسین بن منصور حلاجؒ" حضرت مولانا حکیم سید امین الدین احمد صاحب ایک جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم بھی ہیں، اور مزید کئی خوبیوں کے مالک بھی، سب سے بڑی خوبی یہ کہ اولاد رسول ہونے کے ساتھ عاشق رسول ﷺ بھی ہیں۔ انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں جو منظر عام پر آچکی ہیں۔ انہوں نے یہ کتاب بنام "تذکرہ حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ بڑے نفیس انداز میں اہل عشق جو راہ تصوف میں گامزن ہیں، ان حضرت کو سمجھانے کے انداز

میں تحریر کی ہے ساتھ ہی ساتھ مسئلہ وحدۃ الوجود جو ہر زمانہ میں موضوع بحث رہا ہے اس الجھی ہوئی گتھی کو بھی بڑے لطیف اور شگفتگی کے انداز میں سلجھانے کی کوشش کر کے سیرت فاؤنڈیشن، لاہور کے زیر اہتمام ناظرین کے سامنے پیش کیا ہے۔ مولا کریم ان کی اس کوشش کو کامیاب و کامران فرمائے اور ان کی تصنیفات کو توشۂ آخرت بنائے۔ بجاہ نبیہ محمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وباللہ التوفیق

خاکپائے مرشد

فقیر الی اللہ سید حافظ الحاج عبدالعزیز الخوشحالی الرفاعی

مہتمم: الجمعیۃ الاشاعت اہل السنۃ

۱۰۵ اسکینڈ کروس اسٹریٹ

کولمبو۔۱۱ (سری لنکا)

میرے برادر مکرم و محترم فی الطریقت فاضل اجل عالم بے بدل دانائے اسرار وحدانیت۔ چشم و چراغ خانوادۂ سید السادات سر تاج الاولیاء حضرت سید احمد کبیر رفاعی قدس سرہ العزیز و خلیفہ مجاز و محبوب و منظور نور نظر عارف باللہ فنافی اللہ مرد کامل بدر الاماثل بحر علوم ظاہری و باطنی شمس العارفین سراج السالکین مرشدی و مولائی مولانا الحاج الشاہ حضرت قبلہ خواجہ صوفی محمد خوشحال صاحب دامت برکاتہم العالیہ۔

باب اوّل

حالاتِ زِندگی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی الہ واصحابہ
واولیائے امتہ اجمعین۰

حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ عجب شان کے بزرگ تھے۔ آپ کے واقعات عجیب وغریب تھے آپ کا شیوہ مخصوص آپ ہی کے لئے تھا کہ سوزواشتیاق میں غرق اور فراق کے شعلوں کی لپیٹ سے مست وبے قرار تھے۔ آپ شوریدۂ روزگار عاشق صادق اور پاکیزہ باطن تھے، وجد وحال سے سرشار، بڑے عالی ہمت اور بلند اقدار کے مالک تھے۔ حقیقت ومعرفت میں کامل، عالی حوصلہ، بلند نظر اور فراست ودانائی میں بے مثال تھے۔

ایک ہزار سال سے آپ کی شخصیت کے بارے میں اختلاف چلا آرہا ہے۔ اگرچہ بعض مشائخ نے آپ کا انکار کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ان کا تصوف سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بعض ظاہریوں نے آپ کے متعلق کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ بعض نے آپ کو جادوگر بتایا اور بعض کہتے ہیں کہ آپ حلول واتحاد کے قائل تھے حالانکہ جس شخص نے توحید کی خوشبو سونگھی ہے وہ ہرگز آپ پر حلول واتحاد کی تہمت نہیں لگا سکتا۔

بعض مشائخ نے آپ کے معاملہ میں خاموشی اختیار کی ہے مثلاً استاد ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے حق میں فرمایا ہے کہ اگر وہ مقبول تھے تو

مخلوق کے برا کہنے سے مردود نہ ہوں گے اور اگر وہ مردود تھے تو خلق کے اچھا کہنے سے مقبول نہ ہوں گے اور بعض صوفیہ نے فرمایا کہ آپ کا کار سراسر راز تھا مثلاً حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر، شیخ ابو القاسم گرگانی، شیخ ابو علی فارمدی اور امام یوسف ہمدانی رحمہم اللہ علیہم اجمعین نے آپ کے حالات وواقعات کو رازواسرار سے تعبیر کیا ہے۔

لیکن حضرت ابن عطار، حضرت عبداللہ خفیف، حضرت ابو بکر شبلی حضرت ابو القاسم نصر آبادی، حضرت فرید الدین عطار، حضرت عارف جامی حضرت شیخ علی ہجویری رحم اللہ علیہم اجمعین جیسی عظیم ہستیاں جو حقیقت و معرفت اور شریعت و طریقت کا ستون ہیں اور جن کو سواد اعظم اپنا رہبر و مرشد مانتا ہے انہوں نے آپ کو قبول کیا ہے۔

اور علامہ محمود شبستری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی بریت میں فرمایا ہے۔ ؎

روا باشد اناالحق از درخے

چرا نہ بود روا از نیک بختے

حسین حلاج کی کنیت ابو مغیث اور بعض کے نزدیک ابو عبداللہ ہے ان کے والد کا نام منصور ہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ بیٹے سے باپ کا نام روشن ہے تو حسین حلاج اس کی سب سے بڑی شہادت ہے چونکہ حلاج کے اصل نام سے تو بہت کم لوگ واقف ہوں گے۔ عام طور پر وہ منصور کے نام سے مشہور ہیں حالانکہ منصور ان کا نہیں بلکہ ان کے والد کا نام ہے لیکن اب سب لوگ ان کو منصور ہی کہتے ہیں۔

سب سے پہلے ان کے والد مشرف با اسلام ہوئے۔ ان کے دادا مجوسی تھے جن کا نام محمی تھا۔ حسین بن منصور نسلاً ایرانی تھے۔ ۲۴۴ھ / ۸۵۸ء میں بمقام طور نزد البیضاء (فارس) پیدا ہوئے۔ واسط میں جو بصرہ اور کوفہ کے درمیان واقع ہے نشوونما پائی۔

۲۶۰ھ میں جب کہ حلاج کی عمر سولہ سال کی تھی اہواز کے ایک مقام

تستر میں سہل بن عبد العزیز تستریؒ کی خدمت میں رہے بعد ازاں بصرہ میں عمرو مکیؒ کے فیض صحبت سے استفادہ کیا۔

۲۶۰ھ میں بغداد آئے اور سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کے حلقہ ارادت و تلمذ میں شامل ہو گئے۔ اس طرح ۲۶۰ھ / ۸۷۳ء سے لے کر ۲۸۴ھ / ۸۶۷ء تک اپنے زمانہ کے نامور صوفیہ کرام کی صحبت میں رہ کر مقامات سلوک طے کئے اور پندرہ سولہ سال تک مختلف ممالک مثلاً خراسان، اہواز، فارس، کرمان، ترکستان، کشمیر اور گجرات (کاٹھیاواڑ) کی سیاحت کی اور ان ملکوں کے علماء اور صوفیہ سے مختلف علوم و فنون حاصل کئے اس کے علاوہ تبلیغ دین میں مصروف رہے۔ اپنی زندگی میں تین بار مکہ معظمہ میں حاضری دی اور ہر مرتبہ فریضہ حج کی ادائیگی کی سعادت حاصل کی۔

منصور حلاج کے بیٹے احمد بن حسین بن منصور کا بیان ہے کہ میرے والد مختلف اوقات میں مختلف لباس پہنتے تھے۔ کبھی ٹاٹ، کبھی رنگین دو چادریں اور کبھی کرتہ اور عمامہ اور کبھی قباء۔ روایت ہے کہ جب آپ پہلی مرتبہ تستر سے بصرہ تشریف لائے تو اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی اور آپ صرف دو کپڑوں میں ملبوس حضرت بن عثمان مکیؒ اور حضرت بن محمدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انیس سال کی عمر میں ابو یعقوب اقطعؒ کی لڑکی سے شادی پر آپ کو بڑی عار دلائی جس کی وجہ سے عمرو مکیؒ اور آپ کے خسر ابو یعقوب اقطعؒ کے درمیان شدید عداوت اور کشیدگی پیدا ہو گئی۔ آپ نے حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عمرو مکیؒ اور اپنے خسر کے درمیان جو منافرت پیدا ہو گئی تھی اس کی شکایت کی۔ حضرت جنیدؒ نے آپ کو دونوں بزرگوں کے ساتھ مراعات کا مشورہ دیا۔ چنانچہ آپ ایک عرصہ تک حالات کا مقابلہ کرتے رہے اور تکالیف برداشت کرتے رہے اور مکہ مکرمہ چلے گئے اور دو سال وہاں قیام کرنے کے بعد صوفیہ کرام

اور فقراء کی ایک بھاری جمعیت کے ساتھ بغداد واپس آگئے۔

ایک روز آپ نے حضرت جنید بغدادیؒ سے ایک سوال دریافت کیا۔ حضرت جنیدؒ سمجھ گئے کہ وہ جس مسئلہ پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں یہ ان کا اپنا دعویٰ ہے اس لئے حضرت جنیدؒ نے کوئی جواب نہیں دیا اس بات سے حلاج اس قدر ناراض ہوئے اور اس درجہ متاثر اور پریشان ہوئے کہ پھر تستر واپس چلے گئے اور وہاں ایک سال مقیم رہے۔

اس اثنا میں آپ اس قدر مقبول ہوئے کہ مرجع خلائق بن گئے اور آپ کے ہمعصر تمام مشائخ آپ سے حسد کرنے لگے یہاں تک کہ عمرو بن عثمان مکیؒ نے حسین بن منصور کے متعلق لوگوں کو بہت سی ایسی باتیں بتائیں کہ لوگ آپ سے متنفر ہو گئے اور اس بات سے حلاج نے تنگ آکر تجرد اختیار کر لیا اور صوفیانہ لباس چھوڑ کر صرف ایک قبا زیب تن کر لی اور دنیاداروں کی صحبت میں رہنے لگے اور پانچ سال تک خراسان، ماوراء النہر، ترکستان، کرمان وغیرہ ممالک کے سفر میں گزار کر پھر فارس واپس آگئے۔

فارس میں آپ نے لوگوں کی رشد و ہدایت اور اصلاح و تبلیغ کی، پھر اہواز چلے گئے یہاں آپ کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ کشف کا یہ عالم تھا کہ لوگوں کی پوشیدہ باتوں اور ان کے رازوں کو بیان کر دیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے آپ عوام النّاس میں حلاج الاسرار (بھیدوں اور رازوں کو کھولنے والا) کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

آپ کو سیاحت کا بڑا شوق تھا اس لئے کسی ایک جگہ مستقل سکونت اختیار نہیں کی چنانچہ آپ اہواز سے بصرہ چلے گئے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کرنے کے بعد مکہ شریف چلے گئے اور آپ کے مریدین و معتقدین کی ایک بھاری تعداد آپ کے ساتھ مکہ مکرمہ گئی پھر کچھ عرصہ کے بعد حسب عادت مکہ مکرمہ سے بصرہ

آگئے اور ایک ماہ بصرہ میں رہ کر بغداد شریف تشریف لے گئے اور ایک سال وہاں مقیم رہے۔ اس کے بعد آپ نے ہندوستان، خراسان، ماوراء النہر، ترکستان اور ماچین کے ممالک کا سفر کیا اور مخلوق خدا کو اللہ کی طرف دعوت دی اور یہاں کے باشندوں کے لئے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔

منصور حلاج نے تصوف اور طریقہ ہائے تصوف اور اپنے مخصوص عقائد و نظریات کی تشریح و توضیح میں متعدد کتابیں لکھیں اور رسائل ترتیب دیئے۔ ابن الندیم نے اپنی کتاب الفہرست میں چوالیس کتابوں اور رسائل کی تعداد تحریر کی ہے جن میں چند مشہور مندرجہ ذیل ہیں۔

کتاب التجلیات، کتاب الاحرف المحدثہ والازلیہ والاسماء الکلیہ، کتاب الطول والفروع، کتاب کید الشیطان، کتاب نور النور، رسالہ الازل والجواہر الاکبر والشجر الزیتونیۃ النوریہ، کتاب سر العالم والمبعوث، کتاب العدل والتوحید، کتاب علم البقاء والفناء، کتاب حد النبی المثل الاعلیٰ، کتاب ہو ہو۔ مذکورہ کتابیں منصور حلاج کی اہم ترین تصنیفات میں شمار ہوتی ہیں لیکن مرور زمانہ سے اب ان میں سے کوئی کتاب بھی دستیاب نہیں ہوئی۔

البتہ منصور حلاجؒ کی آج کل ایک ہی تصنیف دستیاب ہے جو عربی میں ہے اور تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اصل میں یہ کتاب حلاج کی تحریروں کے اجزاء کا مجموعہ ہے جس کو مشہور فرانسیسی مستشرق موسیو ماسینون (M.MASSIGNOS) نے کتاب الطواسین کے نام سے ترتیب دے کر شائع کیا ہے۔

آپ کی تعلیمات اور رشد و ہدایت کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گیا اور وہ دل و جان سے آپ کو روحانی مقتداء اور ہادی ماننے لگے۔ چنانچہ جب آپ ہندوستان اور ترکستان کے سفر سے واپس تشریف لائے تو ہندوستان کے باشندوں نے اپنی خط و کتابت میں آپ کو "المغوث ماچین" اور ترکستان کے عوام

نے "الحقیت" خراسان کے لوگوں نے "ابو عبداللہ زاہد" خوزستان کے رہنے والوں نے "شیخ حلاج الاسرار" اور بغداد کے مریدین نے "مصطلم" اور بصرہ کے عقیدت مندوں نے "المحیر" کے القاب سے آپ کو خطاب کیا۔

بعد ازاں آپ نے تیسری بار حج کا ارادہ کیا اور دو سال مکہ مکرمہ میں رہ کر جب واپس آئے تو اس وقت آپ کا پہلے جیسا حال نہ تھا اور بغداد کے لوگوں نے آپ کے متعلق مختلف قیاس آرائیاں اور اتہام طرازیاں شروع کر دیں۔ بعض نے آپ کو ساحر اور بعض نے مجنوں کہا لیکن اکثریت آپ کو واجب کرامت ولی ہی سمجھتی رہی۔

آپ کی کرامات بے شمار ہیں جن کو کرامات اور خرق عادات کے عنوان سے ایک علیحدہ باب میں بیان کیا ہے۔ اکثر لوگوں کا آپ کے متعلق یہی خیال تھا کہ آپ صاحب کشف و کرامات بزرگ ہیں اور بارگاہ الٰہی میں مستجاب الدعوات ہیں۔

آپ ایک عابد مرتاض اور شب زندہ دار بزرگ تھے۔ بڑے مجاہدے اور سخت ترین ریاضتیں کیں۔ روایت ہے کہ آپ جس وقت پہلی مرتبہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو ایک سال پورا مسجد حرام کے صحن میں بیٹھے رہے۔ سوائے طواف اور طہارت کے صحن سے باہر اٹھ کر نہیں جاتے تھے۔ نہ آپ کو دھوپ کی تپش اور گرمی کا خیال تھا اور نہ سورج کی تمازت کی پرواہ تھی اور نہ بارش اور شب تنہائی کا خوف۔

روزانہ رات کو ایک پانی کا پیالہ اور ایک روٹی کی ٹکیہ آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی جس میں سے آپ صرف چار لقمے تناول فرماتے اور دو گھونٹ پانی ایک کھانے سے پہلے اور ایک کھانے کے بعد نوش فرماتے، باقی روٹی اور پانی کا برتن اسی طرح آپ کے پاس سے اٹھا لیا جاتا۔ آپ روزانہ ایک ہزار نفل نماز ادا کیا کرتے۔

منصور حلاج جب ۲۹۷ھ میں بغداد واپس آئے تو آپ نے وحدۃ الوجو

کی تعلیم دینا شروع کی، اس وقت آپ کا پہلے جیسا حال نہ تھا یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ دراصل ان کی دعوت کیا تھی مگر کہا جاتا ہے کہ منصور وحدت الوجود کے نہیں بلکہ عقیدہ حلول کے قائل تھے اور بعض ان کی شعبدہ بازی اور جادوگری سے متنفر ہوئے، بہر حال یہ امر یقینی ہے کہ اس زمانہ کے صلحا، صوفیہ، حکماء، محدثین، مورخین اور متکلمین کی ایک جماعت ان کے خلاف ہو گئی تھی، جس کا ثبوت بعض مستند مورخین کی تاریخی کتب سے بھی ملتا ہے۔

چنانچہ عریب بن سعد اپنی تصنیف صلۂ تاریخ طبری میں لکھتا ہے:

"حلاج ایک گمراہ خبیث آدمی تھا، شہر بہ شہر پھرا کرتا تھا۔ جاہلوں کو دھوکا دیا کرتا تھا، بعض پر ظاہر کرتا کہ وہ اہل بیت کا حامی ہے۔ اکثر لوگوں سے کہتا کہ میں سنی ہوں اور شیعوں کی مجلس میں اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرتا اور معتزلہ کے سامنے معتزلی بن جاتا۔ علاوہ ازیں بڑا ہاتھ کا چالاک اور شعبدہ باز، کیمیاء کا ماہر تھا یہاں تک کہ بہت سے بے وقوفوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ پھر خدائی کا دعویٰ کیا اور حلول کا قائل ہوا اور خدا اور رسول پر افترا باندھا، اس کے بہت سے خطوط ملے جن میں حماقتیں اور الٹی پلٹی باتیں اور کفریات تھیں۔ بعض میں تحریر تھا کہ میں ہی قوم نوح کو ڈبونے والا اور عاد و ثمود کو ہلاک کرنے والا ہوں"۔

ابن حوقل اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے۔

"ان میں سے جو لوگ معروف و مشہور ہیں اور ملکوں میں ان کا چرچا پھیلا ہوا ہے ایک حسین بن حلاج ہے بیضا کا رہنے والا اور نداف تھا۔ زہد و تصوف کا مدعی، درجہ بدرجہ اس نے بڑھتے بڑھتے اس کی حالت یہاں تک پہنچی کہ وہ کہنے لگا کہ جو شخص

اطاعت الٰہی میں جسم کو درست کرے اور اپنے قلب کو نیک اعمال میں مشغول کرے اور لذات دنیوی سے کنارہ کش ہو جائے اور اپنے نفس کو خواہشوں سے دور رکھے وہ مقربین اور پاک فرشتوں تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر صفائی کے درجہ میں بڑھتے بڑھتے یہاں تک بڑھتا ہے کہ اس کی طبیعت بشریت سے پاک ہو جاتی ہے اور بشریت کا اس میں کوئی شائبہ نہیں رہتا۔ تب خدا کی روح اس میں حلول کر جاتی ہے جس طرح حضرت عیسیٰ میں حلول کر گئی تھی۔ اس وقت ہر چیز اس کے تابع فرمان ہو جاتی ہے اور جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جہاں تک خدا کا حکم نافذ ہو سکتا ہے اس کا بھی ہوتا ہے، اس وقت اس کے تمام فعل خدا کے افعال ہوتے ہیں، حلاج یہ باتیں کرتا تھا اور لوگوں سے کہتا تھا کہ یہ درجہ اس کو حاصل ہے"۔

مورخ ابن ندیم روایت کرتا ہے کہ:

"حلاج ایک شعبدہ گر اور حیلہ باز تھا۔ اس نے صوفیہ کے طریقے اختیار کر لئے تھے، ان کے الفاظ بولتا تھا اور ہر علم کا دعویٰ کرتا تھا۔ حالانکہ وہ اس سے خالی تھا، علم کیمیاء البتہ کچھ جانتا تھا۔ اپنے پردوں میں پڑ کر الوہیت کا مدعی تھا اور حلول کا قائل تھا۔ سلاطین کے سامنے مذہب شیعہ ظاہر کرتا اور عوام کے سامنے صوفیوں کا مذہب، اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دعویٰ کرتا جاتا کہ الوہیت اس میں حلول کر گئی ہے، اور وہ خدا ہے"۔

اگرچہ متذکرہ بالا تاریخی حوالہ جات سے حلاج کے عقیدہ کا ثبوت ملتا

ہے مگر خود حلاج کی اپنی مشہور تصنیف الطواسین سے ان کے اس عقیدہ کی تردید نفی میں ہوتی ہے۔ بہر حال کسی نہ کسی وجہ سے لوگ ان کے خلاف ہو گئے اور ۳۰۱ھ میں حکومت نے ان کو گرفتار کر لیا اور وہ مسلسل آٹھ سال تک قید وبند کی زندگی گزارتے رہے۔ مالکی قاضی ابو عمر نے ان کے قتل کا فتویٰ صادر کیا۔ سات ماہ تک مقدمہ چلتا رہا۔ انجام کار عدالت نے حکم دیا کہ یہ شخص واجب القتل ہے۔ منصور کی زندگی پر پردہ پڑا ہوا ہے اس لئے صحیح طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے قتل کے کیا وجوہ تھے، البتہ مختلف مورخین اور تذکرہ نگاروں نے ان کے قتل کے مختلف اسباب بیان کئے ہیں۔

مشہور مورخ اسلام حافظ ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی مصنف تاریخ بغداد کہتے ہیں :

"منصور حلاج کے متعلق جو تفصیلات اور شواہد ہم کو موصول ہوئے وہ یہ ہیں۔

> منصور حلاج مقتدر باللہ کے زمانہ کا بغداد میں ایک معروف صوفی منش بزرگ تھا اور اپنے مزاج کے اعتبار سے بھی صوفیہ کے گروہ سے منسوب و منسلک تھا، حامد بن عباس اس وقت کا وزیر اعلیٰ تھا چنانچہ وزیر موصوف کو یہ خبر ملی کہ منصور حلاج نے سلطنت کے بعض خدام کے سامنے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے اور جن اس کے خادم ہیں وہ ان سے جیسی چاہے خدمت لے سکتا ہے، اور اس نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ اس نے متعدد پرندوں کو زندہ کیا ہے۔

ابو علی اوارجی نے علی بن عیسیٰ کو یہ بات بتائی کہ محمد بن علی قنائی جو حکومتی سیکرٹریٹ کے ایک سیکرٹری تھے۔ حلاج کے بڑے معتقد ہیں اور لوگوں کو

حلاج کی اطاعت کی دعوت بھی پیش کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ علی بن عیسیٰ نے محمد بن علی قنائی کے مکان پر کچھ لوگوں کو بھیج کر بلایا چنانچہ وہ اس کو پکڑ لائے۔ جب اس سے دریافت کیا گیا تو اس نے حلاج کی اطاعت کا اعتراف کیا اور بتایا کہ وہ حلاج کے ساتھیوں میں سے ہے، نیز قنائی کے گھر سے حلاج کی بعض تحریریں بھی ملیں جو سب کی سب علی بن حسین کے پاس پہنچادی گئیں۔

بعد ازاں مقتدر باللہ حامد بن عباس نے مطالبہ کیا کہ حلاج اور اس کے ساتھیوں کو میرے حوالے کر دیا جائے لیکن دربان کے آڑے آنے سے ایسا نہ ہو سکا۔ چونکہ دربان بھی حلاج کے حلقۂ اثر کا ہی ایک شخص تھا لیکن حامد بن عباس کے پیہم اصرار پر منصور حلاج کو اس کے حوالے کرنا پڑا۔ چنانچہ وہ (حامد) روزانہ اسے اپنی مجلس میں بلاتا اس سے پوچھ گچھ کرتا اور اسے گالیاں بھی دیتا تاکہ اس کے قتل کا کوئی بہانہ مل سکے، لیکن منصور حلاج کلمہ پاک پڑھنے اور توحید کا اظہار کرنے ہی پر اکتفا کرتے، نیز فرائض اسلام کے متعلق بھی بیان کرتے رہے۔

اسی دوران حامد کو کچھ لوگوں کے بارے میں یہ اطلاع دی گئی کہ وہ حلاج کے بارے میں الوہیت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ حامد بن عباس نے انھیں بھی گرفتار کر لیا اور مسلسل ان کی تفتیش کرتے رہے۔ جب حلاج سے پوچھا گیا تو اس نے صاف انکار کر دیا اور ان کی تکذیب کی جو اس کی الوہیت کا دعویٰ کرتے تھے اور فرمایا "اللہ کی پناہ کہ میں دعویٰ الوہیت یا دعویٰ نبوت کروں۔ میں تو صرف ایک انسان ہوں، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں، کثرت سے نیک کاموں میں حصہ لیتا اور صوم وصلوٰۃ کا پابند ہوں اور اس کے علاوہ مجھے کچھ بھی تو معلوم نہیں۔

حلاج کے متعلق یہ بھی مشہور کیا گیا کہ وہ اس بات کا قائل ہے کہ اگر کوئی آدمی حج کا ارادہ کرے اور سفر نہ کر سکے تو وہ اپنے گھر میں ایک جگہ مخصوص کرلے اور اسے پوری طرح پاک وصاف کرے اور دیگر مناسک بھی اسی طرح ادا

کرے جیسا کہ مکہ مکرمہ میں ادا کرتے ہیں۔ بعد ازاں تیس یتیموں کو جمع کرے اور اپنی بساط کے مطابق کھانا کھلائے اور یہ خدمت وہ خود سر انجام دے، ہر ایک کو ایک ایک قمیض دے اور سات سات یا تین تین درہم پیش کرے۔ ایسا کرنے سے اس کا یہ عمل حج کے قائم مقام ہو جائے گا۔

ابو عمرو قاضی نے حلاج کی طرف دیکھا اور پوچھا یہ بات آپ نے کہاں سے اخذ کی ہے؟ جواب دیا حسن بصریؒ کی کتاب اخلاص سے، ابو عمر نے کہا اخلاص تو میں نے من و عن دیکھی ہے اس میں یہ عبارت کہیں موجود نہیں، یہ شخص واجب القتل ہے، حامد نے ابو عمر کو فتویٰ تحریر کرنے کا حکم دیا لیکن وہ حلاج سے گفتگو میں مشغول رہا، بالآخر حامد کے اصرار پر ابو عمر قاضی نے اس کے متعلق لکھا کہ یہ واقعی واجب القتل ہے۔

جب منصور حلاج نے صورت حال کو دیکھا تو فرمایا کہ "میری پیٹھ مضبوط ہے، میرا خون حرام ہے، عقیدتاً "میں مسلمان ہوں، مذہباً" سنی ہوں، اور تفضیل، ابوبکر و عمر و عثمان و علی وطلحہ و زبیر سعد و سعید و عبدالرحمٰن بن عوف اور عبیدہ بن جرح رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قائل ہوں۔ حلاج مسلسل مذکورہ جملے کہتے رہے تا آنکہ اہل کار اپنے کام سے فارغ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

حامد نے قاضی ابوبکر عمر کو حکم دیا کہ مقتدر باللہ کو پوری تفصیل بتا دی جائے کہ ہمارے درمیان کیا گفتگو ہوئی ہے، لیکن دو دن تک مقتدر کی جانب سے کوئی جواب موصول نہ ہونے پر حامد وزیر مذکور کو فکر پیدا ہوئی چنانچہ پھر کوشش کر کے بادشاہ کو صورت حال سے آگاہ کیا اور بتایا کہ اگر اب حلاج کو قتل نہیں کرتے تو لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے، یہ پیغام حامد نے عفلح نامی آدمی کے ذریعہ مقتدر باللہ کو بھیجا، مقتدر نے اگلے دن جواب دیا کہ جب محکمہ قضاۃ نے اس کے قتل کا فتویٰ دے دیا ہے تو محمد بن عبدالصمد (پولیس تھانیدار) کو حکم دو اور

حلاج کو اس کے سپرد کر کے کہو کہ وہ اسے ایک ہزار کوڑے رسید کرے، اگر مر جائے تو فبہا ورنہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔

مقتدر کے اس حکم کو سن کر حامد کو بڑی خوشی ہوئی چنانچہ حامد نے فوراً محمد بن عبدالصمد (پولیس تھانیدار) کو بلایا اور مقتدر کا پیغام اس کے حوالے کرتے ہوئے اسے حلاج کو سزا دینے کے لئے کہا لیکن تھانیدار ایسا کرنے کے لئے تیار نہ ہوا اور عرض کیا مجھے خطرہ ہے کہیں وہ ہاتھوں سے نکل نہ جائے، حامد نے کہا ایسی کوئی بات نہیں میں مزید احتیاط کے لئے کچھ ساتھی آپ کے ساتھ کئے دیتا ہوں۔

پروگرام کے مطابق ایک پوری ٹیم اس مقصد کے لئے روانہ ہوئی اور حلاج کو محمد بن عبدالصمد نے مارنا شروع کیا۔ اس دوران اس نے بہت منت سماجت کی لیکن اس نے ایک نہ سنی اور ایک کثیر تعداد لوگوں کی اس کو پٹتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

تھانیدار جب حلاج کو ہزار کوڑے مار چکا تو اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا پھر پاؤں، اس کے بعد دوسرا ہاتھ اور دوسرا پاؤں کاٹا گیا اور بالآخر سر تن سے جدا کر دیا۔ پھر اس کے مردہ جسم کو جلایا گیا اور راکھ دریائے دجلہ میں ڈال دی۔ حلاج کے سر کو دو دن تک جسر بغداد پر لٹکائے رکھا پھر اس کو خراسان اور اطراف خراسان میں پھرایا گیا۔

مولانا فرید الدین عطارؒ نے تذکرۃ الاولیاء میں اس المیہ کی داستان یوں بیان فرمائی ہے۔ "کہ خلق آپ کی باتیں سن کر متحیر ہوئی، بہت سے منکر ہوئے اور بہت سے مقر۔ عجیب و غریب کام آپ سے ظہور میں آنے لگے، ہر ایک کی زبان پر آپ کی کیفیت جاری تھی اور ہر جگہ آپ ہی کا چرچا تھا۔ کوئی کچھ کہتا تھا اور کوئی کچھ، خلیفہ وقت کے سامنے بھی آپ کا حال مختلف طور سے بیان کیا گیا اور علماء نے اتفاق کر کے آپ کے قتل کا فتویٰ دیا اور جرم یہ قرار پایا کہ منصور انا الحق کہتا

ہے۔ آپ سے کہا گیا کہ "ہوالحق" کہیں تو آپ نے فرمایا واقعی وہ ہمہ اوست ہے لیکن تم کہتے ہو وہ گم ہوا ہے وہ گم نہیں ہوا بلکہ حسین ہی گم ہوا ہے۔ بحر محیط بھی کبھی گم ہوتا ہے، ہرگز نہیں۔

محمد داؤد اور ایک جماعت علماء کی آپ کے خلاف ہو گئی اور معتصم سے آپ کے حالات بہت بری طرح بیان کئے۔ معتصم کا وزیر جس کا نام علی بن عیسیٰ تھا آپ پر بہت ناراض ہوا اور آپ کو ایک سال تک قید خانہ میں رکھا۔ اس دوران لوگ اکثر آپ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے اور مسائل دریافت کرتے تھے اور حالات معلوم کرتے تھے۔ آخر کار حکام وقت نے حکم دیا کہ کوئی شخص ان سے ملاقات نہ کرے اور پانچ ماہ تک کوئی ان سے ملنے ہی نہ جا سکا۔ البتہ حضرت ابن عطاءؒ، حضرت عبدالخفیفؒ اور حضرت ابن عطاء کے ملازم کو ان سے ملنے کی اجازت تھی۔ ان حضرات نے آپ سے کہا کہ ارباب حکومت کہتے ہیں کہ اگر آپ اس نعرہ سے باز آجائیں اور معذرت کر لیں تو آپ کو رہا کر دیا جائے گا لیکن آپ نے جواب دیا کہ جو مجھ سے معذرت چاہتا ہے وہ خود ہی معذرت کر لے۔

روایت ہے کہ آپ قید خانہ میں دن رات میں ایک ہزار رکعت نماز ادا کیا کرتے تھے، لوگوں نے پوچھا کہ آپ تو کہتے ہیں میں حق ہوں پھر آپ نماز کس کی پڑھتے ہیں، آپ نے فرمایا اپنی قدر ہم خود ہی جانتے ہیں۔

ایک رات تین سو اشخاص قید خانہ میں لائے گئے آپ نے فرمایا، اے قیدیو! میں تم کو آزاد کر سکتا ہوں، اگر کہو تو رہا کر دوں۔ انہوں نے کہا آپ ہمیں کیا رہا کریں گے، اگر اتنی قدرت ہے تو پہلے خود تو آزاد ہو جاؤ۔ آپ نے فرمایا، میں خداوند کی قید میں ہوں اور شریعت کا لحاظ رکھتا ہوں ورنہ اگر میں چاہوں تو ایک اشارے سے یہ سب طوق اور بیڑیاں توڑ ڈالوں۔ پھر آپ نے انگلی سے اشارہ کیا ور سب قیدیوں کی بیڑیاں ٹوٹ کر گر پڑیں، انہوں نے کہا کہ دروازہ بند ہے اب

ہم آزاد تو ہو گئے جائیں کدھر سے، آپ نے ایک اور اشارہ کیا تو چاروں طرف کھڑکیاں نظر آنے لگیں، آپ نے فرمایا لو اب چلے جاؤ، لوگوں نے کہا آپ بھی چلیئے تو آپ نے جواب دیا مجھ کو اپنے آقا کے ساتھ ایک راز ہے اور بغیر سولی پر چڑھے اس کا حل ہونا ناممکن ہے۔

جب پولیس کے سپاہیوں نے صبح آکر دیکھا تو سارے قیدی غائب تھے آپ سے پوچھا قیدی کہاں ہیں، آپ نے فرمایا ہم نے سب کو آزاد کر دیا جب دریافت کیا آپ خود کیوں نہیں گئے، جواب دیا ہمارے صاحب کا ہم پر عتاب ہے اس لئے یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

خلیفہ وقت کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے حکم دیا کہ اس کو فوراً دُرّے مار کر قتل کر دو ورنہ بڑا فساد برپا ہو گا، چنانچہ آپ کو قید خانہ سے باہر نکالا اور درے مارے۔ آپ جس طرح کھڑے تھے کھڑے رہے ذرا حرکت نہ کی، کوڑے مارنے والے کا قول ہے کہ ہر کوڑے کے مارنے پر یہ فصیح آواز سنی یا ابن منصور لاتخف ! یعنی ابن منصور مت ڈرو۔ اس کے بعد آپ کو سولی پر چڑھانے کو لے گئے تو اس وقت ایک لاکھ آدمیوں کا مجمع تھا، آپ ان سب کی طرف نظر فرماتے تھے اور کہتے تھے، حق حق حق انا الحق۔ اس بھیڑ میں سے ایک درویش مجمع کو چیرتا ہوا آپ کے پاس آیا اور دریافت کیا، عشق کیا ہے ؟ آپ نے جواب دیا تو آج دیکھے گا اور کل دیکھے گا اور پرسوں دیکھے گا۔ یعنی اس روز آپ کو سولی دی گئی دوسرے روز لاش کو جلایا گیا اور تیسرے روز خاکستر کو دریائے دجلہ میں ڈالا گیا۔

اس حال میں آپ کے خادم نے عرض کیا کہ مجھے وصیت فرمایئے، آپ نے فرمایا کہ نفس کو کسی کام میں مشغول رکھ ورنہ وہ تجھ کو کسی ایسے کام میں مشغول کر دے گا جو کرنے کا نہ ہو گا اور یاد رکھ کہ اپنے نفس کی نگہداشت بڑے حوصلے کا کام ہے۔

آپ کے صاحبزادے نے عرض کیا کہ ابا جان مجھے بھی وصیت فرمایئے۔
آپ نے فرمایا! اے فرزند، اہل جہان نیک اعمال میں کوشاں رہتے ہیں تو ایسے کام کی کوشش کر کہ اس کا ایک ذرہ جن وانس کے عام عملوں سے بہتر ہو اور وہ علم حقیقت کا ایک ذرہ ہے۔

پھر آپ خراماں خراماں بڑے ذوق و شوق کے ساتھ سولی کی طرف بڑھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایسے وقت میں آپ خوش کیوں ہیں ؟ آپ نے فرمایا اب ہم اپنے خیمہ گاہ کی طرف جارہے ہیں، کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور خوشی کا وقت ہو سکتا ہے اور آپ بلند آواز سے یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

ندیمی غیر منسوب الی شئی من الحیف سقانی مثل مایشرب کفعل الضیف بالضیف
فلما دارت الکاس دعا بالنطع والسیف کذا من یشرب الراح مع التنین بالصیف

جب آپ کو سولی کے نیچے لے گئے تو آپ نے باب الطاق سے سولی کو بوسہ دیا اور سیڑھی کے پائے پر قدم رکھا۔ لوگوں نے پوچھا کیا حال ہے ؟ آپ نے جواب دیا کہ مردوں کی معراج سر دار ہے۔ اس وقت آپ ایک چادر کمر پر باندھے ہوئے تھے اور دوسری کندھے پر پڑی تھی۔ آپ نے ہاتھ اٹھائے اور قبلہ رو ہو کر مناجات کی اور فرمایا، جو کچھ چاہا پایا۔

جب آپ کو سولی پر چڑھایا گیا تو آپ کے مرید نے پوچھا کہ ہم لوگ جو آپ کے مقر ہیں اور وہ لوگ جو آپ کے منکر ہیں اور آپ کو سولی چڑھا رہے ہیں دونوں گروہوں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے! آپ نے فرمایا، تم کو ایک ثواب اور ان کو دوہرا ثواب ملے گا۔ چونکہ تم کو میرے ساتھ ایک نیک گمان ہے اور وہ لوگ توحید کی قوت اور شریعت کی سختی سے لرز رہے ہیں اور شریعت میں توحید اصل ہے اور حسن ظن فرع ہے۔

حضرت ابو بکر شبلیؒ آپ کے سامنے تشریف لائے اور فرمایا۔ الم ننھک

عن العلمین اور پوچھا حلاج تصوف کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا کمترین درجہ تصوف کا یہ ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔ پوچھا بلند ترین درجہ کون سا ہے۔ فرمایا تیری وہاں تک رسائی نہیں ہے۔

پھر لوگوں نے پتھر آپ پر پھینکنے شروع کیے۔ حضرت شبلیؒ نے بھی آپ کی طرف ایک چھوٹا سا ڈھیلا پھینکا جس پر منصور حلاج نے آہ بھری۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو اتنے پتھر مارے گئے مگر آپ نے اُف تک نہ کی اور شبلیؒ کے ایک چھوٹے سے ڈھیلے پر آپ آہ کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ لوگ نہیں جانتے اس وجہ سے معذور ہیں اور شبلیؒ جانتے ہیں کہ انہیں نہیں پھینکنا چاہیے تھا۔

بعد ازاں دار کی سیڑھی پر آپ کے ہاتھ کاٹے گئے تو آپ ہنسے۔ لوگوں نے دریافت کیا یہ ہنسنے کا کون سا موقع ہے۔ آپ نے فرمایا یہ ہاتھ کاٹنے آسان ہیں ایسے مرد آئیں جو ہمارے صفات کے ہاتھوں کو کاٹیں جن سے ہمت کا تاج عرش کے سر سے اتارا ہے۔

اس کے بعد جب آپ کے دونوں پاؤں کاٹے تو آپ مسکرائے اور فرمایا اگرچہ میں نے دنیا کا سفر ان پاؤں سے کیا ہے لیکن ان کے علاوہ دوسرے قدم بھی رکھتا ہوں جو اب بھی دونوں جہان کا سفر کر سکتے ہیں۔ اگر تم قدرت رکھتے ہو تو ان قدموں کو قطع کر کے دکھاؤ۔

پھر دونوں خون آلود ہاتھ منہ پر ملنے لگے یہاں تک کہ کلائیاں اور چہرہ خون سے لتھڑ گیا۔ لوگوں نے پوچھا ایسا کیوں کرتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ میرے جسم سے خون بہت نکل چکا ہے اور میرا خیال ہے کہ میرا چہرہ زرد ہو گیا ہو گا اور شاید تم یہ خیال کرو کہ یہ خوف کی وجہ سے زرد ہو گیا ہے اور اس لئے منہ پر خون مل رہا ہوں تاکہ تمہاری نظروں میں سرخ رُو نظر آؤں۔ لوگوں نے پوچھا کلائیوں پر کیوں مل رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، وضو کر رہا ہوں چونکہ منزل عشق

باب دوم

خرقِ عادات و کشف و کرامات

منصور حلاج کی خرق عادات اور کرامات کتب تصوف میں بے شمار بیان کی گئی ہیں مگر میں نے مستند کتب سے موصوف کی چند کرامات پر اکتفا کیا ہے۔ مندرجہ ذیل خرق عادات کا ماخذ مشہور عالم دین سید یوسف بن اسماعیل النبہانیؒ کی مشہور اور مستند عربی تالیف "جامع الکرامات اولیاء" ہے۔ چنانچہ علامہ نبہانی جامع الکرامات کی جلد نمبر ۲ صفحہ ۴۴ پر تحریر فرماتے ہیں۔

آپ کی کرامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ابن خفیفؒ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا۔ "آپ کا کیا حال ہے؟" آپ نے جواب دیا کہ "اللہ تعالیٰ کے ظاہری اور باطنی احسانات مجھ پر ہیں" ابن حفیفؒ نے کہا میرے تین سوال ہیں۔ آپ نے فرمایا کہو، کیا ہیں۔ ابن خفیفؒ نے عرض کیا کہ آپ صبر کا ثمرہ بیان فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں ان زنجیروں کی طرف دیکھوں تو وہ کھل جائیں۔ ابن حفیفؒ کہتے ہیں آپ نے ان زنجیروں کی طرف دیکھا "توجہ فرمائی" جن میں آپ جکڑے ہوئے تھے وہ زنجیریں فوراً کھل گئیں اور بندی خانہ کی دیوار پھٹ گئی اور ہم نے اپنے آپ کو دجلہ کے کنارے پایا۔ آپ نے فرمایا، اے ابن حفیفؒ یہ صبر کا پھل ہے۔

ابن حفیفؒ نے کہا آپ فقر کی حقیقت واضح فرمائیں۔ پس آپ نے وہاں پر پتھروں کی طرف توجہ فرمائی ان میں سے کچھ سونا اور کچھ چاندی ہو گئی اور آپ نے فرمایا یہ فقر کا پھل ہے لیکن اس کے باوجود میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں کہ

میں اس سے تیل خرید سکوں۔

ابن حفیفؒ کہتے ہیں کہ پھر میں نے پوچھا فتوے کی حقیقت کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ یہ بات کل کو تجھ پر کھل جائے گی۔ ابن خفیفؒ بیان کرتے ہیں جب رات ہوئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور ایک ندا کرنے والا ندا کر رہا ہے کہ حسین ابن المنصود کہاں ہے پس حسین بن منصور اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہوئے تو آپ سے کہا گیا کہ اے حسین، جو تیرا محب ہے وہ جنتی ہے اور جو دشمن ہے وہ جہنم میں جائے گا۔ پس حلاج نے عرض کیا، اے میرے رب تو سب کو معاف فرما۔ اس کے بعد آپ نے میری طرف التفات کر کے فرمایا یہ فتویٰ ہے۔ اس کرامت کا سیّدی القطب الشعرانیؒ نے اپنی کتاب کبریٰ میں ذکر کیا ہے۔

آپ کی کرامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ لوگوں کو گرمیوں میں سردیوں کے اور سردیوں میں گرمیوں کے پھل کھلاتے تھے، آپ ہوا میں اپنا ہاتھ بڑھاتے تو درہموں سے بھر جاتا اور ہر درہم پر قل ھو اللہ احد لکھا ہوتا تھا اور آپ فرماتے تھے کہ قدرت کا سکہ ہے۔

علامہ نبہانیؒ فرماتے ہیں ابن خفیفؒ کہتے ہیں کہ میں بندی خانہ میں آپ کی ملاقات کو گیا۔ میں نے آپ کو سلام کیا، سلام کا جواب دینے کے بعد آپ نے فرمایا، خلیفہ میرے متعلق کیا کہتا ہے، میں نے کہا وہ کہتا ہے کہ کل کے روز ہم حلاج کو قتل کریں گے، آپ ہنس دیئے اور فرمایا پندرہ روز تک میرا معاملہ یوں یوں ہوگا۔ پھر آپ اٹھے اور وضو فرمایا، بندی خانہ میں ایک رسی لٹک رہی تھی جس پر ایک کپڑا پڑا تھا آپ اس سے اپنا منہ پونچھنے لگے حالانکہ آپ کے اور رسی کے درمیان چودہ گز کا فاصلہ تھا۔ میں اپنے ذہن میں یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ آپ کے ہاتھ وہاں تک لمبے ہو گئے یا کپڑا اپنی جگہ سے ہٹ کر آپ کے ہاتھوں میں آگیا۔ پھر آپ نے دیوار کی طرف اشارہ فرمایا وہ پھٹ گئی اور مجھے دجلہ نظر آنے لگا اور میں نے

دیکھا کہ لوگ دجلہ کے کنارے پر کھڑے ہیں۔

آپ کی سب سے بڑی کرامت تو وہ ہے جس کی وجہ سے آپ حلاج کے نام سے مشہور و معروف ہوئے۔ آپ کی اس کرامت کو تقریباً سب ہی کتب تصوف اور صوفیہ کے تذکروں میں بیان کیا گیا ہے اور عربی زبان کے مشہور اسلامی مورخ حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی نے اپنی تصنیف "تاریخ بغداد" میں لکھا ہے، فرماتے ہیں، آپ کے بیٹے کا یہ کہنا ہے کہ :

> آپ کو حلاج اس لئے کہتے ہیں کہ ایک دن آپ روئی دھننے والے کی دکان پر گئے اور اس سے فرمایا کہ تو ہمارا فلاں کام کر آ۔ اس نے جانے سے معذرت کی اور کہا کہ میری دکان میں بہت سی روئی دھننے والی رکھی ہے اور میں نے دھن کر لوگوں کو دینی ہے۔ آپ نے فرمایا تو میرا کام کر آ، تیرا کام بھی ہو جائے گا۔ جب وہ دکاندار واپس آیا تو دیکھا کہ ساری کی ساری روئی دھنی ہوئی پڑی ہے اور وہ روئی اتنی تھی کہ دس آدمی بھی مل کر کئی روز میں نہیں دھن سکتے تھے۔ اس کے بعد لوگوں نے آپ کو حلاج کہنا شروع کر دیا۔ اور آپ اسی لقب سے مشہور ہو گئے۔

روایت ہے کہ رشید خسرو سمرقندی جب حج کو تشریف لے جا رہے تھے انہوں نے دوران سفر وعظ میں فرمایا کہ ایک بار منصور حلاج چار سو صوفیوں کے ہمراہ جنگل میں سفر کر رہے تھے ایسا اتفاق پیش آیا کہ چند روز تک کچھ بھی کھانے کو میسر نہ آیا۔ جب سب لوگ بھوک سے مجبور ہو گئے تو انہوں نے حضرت ابن منصور سے گزارش کی کہ ہمارا دل بھنی ہو سری کھانے کو چاہتا ہے۔ آپ نے سب کو حکم دیا کہ قطار در قطار بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ تمام لوگ قطاروں میں بیٹھ گئے۔ آپ اٹھے

اور ہر ایک کے پاس آتے تھے، پیچھے ہاتھ کرتے تھے اور ہر ایک کے سامنے دو روٹیاں اور بھنی ہوئی سری رکھ دیتے تھے، چنانچہ سب ہمراہیان مذکور کے سامنے آپ نے بھنی ہوئی سریاں اور روٹیاں رکھ دیں۔ اس طرح ان چار سو آدمیوں نے رغبت کے ساتھ کھانا کھایا آپ کی اس کرامت سے سب حیران رہ گئے۔

اس سفر میں لوگوں نے آپ سے کہا کہ حضرت خواجہ تروتازہ خرما کھانے کو دل چاہتا ہے۔ آپ اسی وقت کھڑے ہو گئے اور فرمایا جس طرح خرمے کے درخت کو جھاڑتے ہو اسی طرح مجھے جھاڑو۔ لوگوں نے آپ کے قد کو جنبش دی۔ جنبش کا دینا تھا کہ خرمے بارش کی طرح گرنے لگے۔ اس قدر گرے کہ سب ساتھیوں نے خوب سیر ہو کر کھائے۔ نیز یہ بھی مشہور ہے کہ جہاں کہیں آپ کسی درخت سے کمر لگا کر بیٹھ جاتے تھے اسی وقت اس درخت میں تر خرموں کے پھل لگ جاتے تھے۔

اسی دوران سفر میں لوگوں نے آپ سے گزارش کی کہ ہمارا دل انجیر کھانے کو چاہتا ہے۔ آپ نے ہاتھ پھیلایا، آپ کے ہاتھوں میں انجیروں سے بھرا ہوا طباق آگیا، آپ نے وہ طباق ان کے آگے رکھ دیا۔

اسی طرح دوسری بار لوگوں نے حلوے کی فرمائش کی، آپ نے اس طرح ہاتھ پھیلایا اور گرم حلوے کا طباق ان کے سامنے رکھ دیا۔ جب لوگوں نے اس طباق کے حلوے کو کھایا تو سب آپ کے سامنے کہنے لگے کہ حضرت ایسا حلوہ تو بغداد کے باب الطاقہ میں بنتا ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا، میرے نزدیک باب الطاقہ بغداد اور جنگل سب برابر ہیں۔

بعد میں معلوم ہوا کہ باب الطاقہ میں ایک حلوائی بیٹھا تھا، اسی وقت اس کا ایک حلوے کا طبق غائب ہو گیا، اس نے وہ تاریخ لکھ لی تھی۔ چند روز کے بعد جب آپ کا قافلہ بغداد پہنچا تو اس حلوائی نے آپ کے ساتھیوں کے پاس وہ طباق دیکھا

اس نے پوچھا صاحبو یہ طباق تمہارے پاس کہاں سے آیا تو انہوں نے طباق کا کل ماجرا مع تاریخ کے بیان کر دیا۔ تب حلوائی کو معلوم ہوا کہ کرامت کے زور سے یہ طباق آپ کے پاس پہنچ گیا تھا، حلوائی کو بے انتہا حیرت ہوئی اور وہ استعجاب کے دریا میں غرق ہو گیا، وہ دوڑا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کا مرید ہو گیا۔

روایت ہے کہ جس رات آپ کو قید کر کے جیل خانہ بھیج دیا گیا لوگوں نے آکر آپ کو دیکھا آپ بالکل گم تھے۔ جس مکان کے گوشے میں آپ کو قید کیا تھا اس کو اور تمام مکانات کو چھان مارا آپ کا کہیں پتہ نہ چلا، آخر کار لوگ تھک کر چلے گئے۔ دوسری رات کو لوگ پھر آپ کو دیکھنے آئے تو لوگوں کو حیرت ہوئی کہ نہ قید خانہ ہے نہ آپ ہیں۔ تیسری رات کو جب لوگوں نے آکر دیکھا تو دیکھتے کیا ہیں قید خانہ بھی موجود ہے اور آپ بھی موجود ہیں۔

لوگوں نے آپ سے دریافت کیا اول رات آپ کو قید خانہ میں ڈھونڈا آپ کہیں نہیں ملے۔ دوسری رات کو رات بھر آپ کو ڈھونڈا، نہ جیل خانہ کا پتہ لگا نہ آپ کا۔ آج تیسری رات کو ہم آپ کو بھی دیکھ رہے ہیں اور جیل خانہ کو بھی، اس راز سے مطلع فرمائیے۔

آپ نے فرمایا ہاں تم سچ کہتے ہو۔ پہلی رات میں حضوری میں تھا اور دوسری رات خود حضور ﷺ یہاں جلوہ افروز تھے، اس لئے نہ میں ملا نہ قید خانہ اب یہاں پھر مجھے لائے ہیں فقط شریعت کے لئے پس جاؤ اپنا کام کرو۔

ایک رات قید خانہ میں تین سو آدمی قید تھے۔ آپ نے ان سے کہا۔ اے قیدیو! میں تم کو رہا کر دوں، انہوں نے کہا آپ ہم کو کیا رہا کریں گے اور آزاد کریں گے پہلے خود تو رہا اور آزاد ہو جائیے۔

آپ نے اس کے جواب میں کہا۔ خداوند کی قید میں ہوں اور شریعت کا لحاظ رکھتا ہوں، اگر چاہوں تو ایک اشارے سے یہ سب طوق اور بیڑیاں کاٹ

اس نے پوچھا صاحب یہ طباق تمہارے پاس کہاں سے آیا تو انہوں نے طباق کا کل ماجرا مع تاریخ کے بیان کر دیا۔ تب حلوائی کو معلوم ہوا کہ کرامت کے زور سے یہ طباق آپ کے پاس پہنچ گیا تھا، حلوائی کو بے انتہا حیرت ہوئی اور وہ استعجاب کے دریا میں غرق ہو گیا، وہ دوڑا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کا مرید ہو گیا۔

روایت ہے کہ جس رات آپ کو قید کر کے جیل خانہ بھیج دیا گیا لوگوں نے آکر آپ کو دیکھا آپ بالکل گم تھے۔ جس مکان کے گوشے میں آپ کو قید کیا تھا اس کو اور تمام مکانات کو چھان مارا آپ کا کہیں پتہ نہ چلا، آخر کار لوگ تھک کر چلے گئے۔ دوسری رات کو لوگ پھر آپ کو دیکھنے آئے تو لوگوں کو حیرت ہوئی کہ نہ قید خانہ ہے نہ آپ ہیں۔ تیسری رات کو جب لوگوں نے آکر دیکھا تو دیکھتے کیا ہیں قید خانہ بھی موجود ہے اور آپ بھی موجود ہیں۔

لوگوں نے آپ سے دریافت کیا اول رات آپ کو قید خانہ میں ڈھونڈا آپ کہیں نہیں ملے۔ دوسری رات کو رات بھر آپ کو ڈھونڈا، نہ جیل خانہ کا پتہ لگا نہ آپ کا۔ آج تیسری رات کو ہم آپ کو بھی دیکھ رہے ہیں اور جیل خانہ کو بھی، اس راز سے مطلع فرمایئے۔

آپ نے فرمایا ہاں تم سچ کہتے ہو۔ پہلی رات میں حضوری میں تھا اور دوسری رات خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں جلوہ افروز تھے، اس لئے نہ میں ملا نہ قید خانہ اب یہاں پھر مجھے لائے ہیں فقط شریعت کے لئے پس جاؤ اپنا کام کرو۔

ایک رات قید خانہ میں تین سو آدمی قید تھے۔ آپ نے ان سے کہا۔ اے قیدیو! میں تم کو رہا کر دوں، انہوں نے کہا آپ ہم کو کیا رہا کریں گے اور آزاد کریں گے پہلے خود تو رہا اور آزاد ہو جایئے۔

آپ نے اس کے جواب میں کہا۔ خداوند کی قید میں ہوں اور شریعت کا لحاظ رکھتا ہوں، اگر چاہوں تو ایک اشارے سے یہ سب طوق اور بیڑیاں کاٹ

ڈالوں اس کے بعد آپ نے انگلی کا اشارہ کیا، اشارے کے ساتھ ہی ان سب کی بیڑیاں ٹوٹ گئیں۔ اس کے بعد ان قیدیوں نے کہا ہم کدھر کو جائیں کیوں کہ قید خانہ کا دروازہ تو بند ہے۔ آپ نے ایک اور اشارہ کیا تو چاروں طرف کھڑکیاں نظر آنے لگیں۔ پھر آپ نے فرمایا، لو اب چلے جاؤ۔ لوگوں نے کہا۔ "آپ نہیں چلتے ؟" آپ نے اس کا جواب یہ دیا۔ "مجھ کو اپنے آقا کے ساتھ ایک راز ہے کہ بغیر سولی پر چڑھے اس کا حل ہونا ناممکن ہے"۔

جب لوگوں نے صبح آکر دیکھا تو کسی قیدی کا پتہ نہ لگا، پوچھا آپ سے قیدی کہاں گئے۔ آپ نے فرمایا، ہم نے سب کو آزاد کر دیا۔ لوگ کہنے لگے کہ آپ کیوں نہیں تشریف لے گئے۔ آپ نے جواب میں فرمایا، ہمارے صاحب کا ہم پر عتاب ہے اس لئے ٹھہرے ہوئے ہیں۔

☆

میں دو رکعت ایسی ہیں کہ ان کا وضو خون سے درست ہوتا ہے۔

بعد ازاں جب آپ کی آنکھیں نکالی گئیں تو لوگوں میں ایک حشر برپا ہو گیا۔ پھر آپ کی زبان نکالنی چاہی، آپ نے فرمایا، ذرا ٹھہر جاؤ، میں ایک بات کر لوں آپ نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا، الٰہی اتنا رنج یہ لوگ تیرے لئے مجھ کو دے رہے ہیں تو ان کو بد نصیب نہ کرنا اور فرمایا، الحمد اللہ، اگر میرے ہاتھ پاؤں کاٹے تو تیری راہ میں کاٹے اور اگر میرا تن سر سے جدا کر رہے ہیں تو دار کے سر پر تیرے جلال کے مشاہدے میں کر رہے ہیں۔ اس کے بعد آپ کے کان اور ناک کاٹے گئے۔ آپ کا آخری کلام یہ تھا۔

حب الواحد افراد الوحد، حب الواحد افراد الواحد، یعنی یکتا کی دوستی یکتا کو یکتائی سے یکتا کر کے دیکھتی ہے اور یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔ **یستعجل بهاالذین لایومنون بهاوالذین امنوا مشفقون منها ویعلمون انها الحق** اور یہی آپ کا آخری کلام تھا۔

اس کے بعد آپ کی زبان کاٹی گئی۔ عین مغرب کے وقت خلیفہ وقت کا حکم آیا کہ اس کا سر تن سے جدا کر دو۔ جب سر کاٹا گیا تو آپ نے ایک قہقہہ مارا اور جاں بحق ہو گئے۔ آپ کے ہر ایک عضو سے انا الحق کا شور برپا ہو گیا اور ہر قطرۂ خون جو زمین پر ٹپکتا تھا اس سے انا الحق کا نقش بن جاتا تھا۔ اس کے بعد آپ کے تمام اعضاء کو کاٹا گیا صرف گردن اور پشت باقی رہ گئی جس سے برابر آواز انا الحق آ رہی تھی۔

دوسرے روز آپ کے تمام اعضاء کو اکٹھا کر جلایا گیا اور خاکستر کو بھی دجلہ میں بہادیا گیا جس میں سے بھم انا الحق کی آواز آ رہی تھی۔ جب راکھ کو دریا میں ڈالا گیا، پانی کی سطح پر وہی نقش بننے لگے اور پانی میں جوش و خروش برپا ہو گیا۔

آپ نے عالم حیات میں اپنے خادم سے فرمایا تھا کہ جب میری راکھ کو دجلہ میں ڈالیں گے تو پانی میں جوش و خروش پیدا ہو گا اور ایسی طغیانی آئے گی کہ

سارا بغداد غرق ہو جائے گا، جب تم یہ حالت دیکھو تو میری گدڑی دجلہ کو دکھانا ورنہ ایک قیامت برپا ہو جائے گی۔ چنانچہ جب دریا میں طغیانی آنے لگی تو خادم نے آپ کی گدڑی اٹھا کر دجلہ کو دکھائی تو پانی ٹھہر گیا اور وہ راکھ اکٹھی ہو کر کنارے کے ساتھ آگئی۔ لوگوں نے اس راکھ کو نکال کر زمین میں دفن کر دیا۔ اللہ کی رحمت ان کی روح پاک پر ہو!

علامہ سلیمان ندوی اپنی تصنیف "حسین بن منصور حلاج تاریخ کی روشنی میں" میں اسباب قتل اور اس کا ملکی سیاسی پس منظر یوں بیان فرماتے ہیں "چوتھی صدی کا آغاز تھا کہ خلیفہ معتصم کے بعد عباسیوں کا زوال شروع ہو گیا۔ اس اثناء میں دو عظیم طاقتیں پیدا ہو گئیں۔ عراق میں قرامطہ کا گروہ پیدا ہو گیا اور افریقہ میں ایک مہدی کا ظہور ہوا جو فاطمیت کے مدعی تھے۔ ان کے داعی اور جاسوس درویشوں اور زاہدوں کی صورت میں تمام بلاد اسلامیہ میں پھیل گئے تھے۔ مہدیوں کا گروہ جس کا دوسرا نام ہو فاطمہ ہے بڑھتے بڑھتے مصر پر قابض ہو گیا اور کئی سو برس تک وہاں بڑے جاہ و جلال سے حکومت کی۔

قرامطہ نے جو حقیقتاً مجوسی تھے دس بارہ برس تک مسلمانوں پر جو مظالم توڑے ان کے بیان سے اب تک رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ عین حج کے زمانہ میں عرب پر حملہ کیا اور حاجیوں کے قافلوں کو لوٹ لیا، ہزاروں حاجیوں کو تہ تیغ کیا، کعبہ سے حجر اسود اکھاڑ کر لے گئے ادھر سے فرصت پا کر دار الخلافہ کا رخ کیا۔ دم بہ دم ان کے آگے بڑھنے کی خبریں آتی رہتی تھیں۔ خلیفہ بغداد سے فوجوں پر فوجیں بھیج رہا تھا اور وہ شکست کھا کھا کے پیچھے ہٹ جاتی تھیں آخر بڑی مشکل سے کئی سال میں جا کر ان کا زور گھٹا اور صرف ایران کے کوہستانی علاقہ میں باطنیہ کے لقب سے سمٹ کر رہ گئے۔

۳۰۱ھ سے ۳۱۰ھ تک ان فتنوں کے عین عروج اور شباب کا زمانہ

ہے۔ قول کے داعی عجیب و غریب عوام فریب دعووں کے ساتھ اٹھتے تھے، ظاہری اتقا، امر بالمعروف اور شعبدہ گری کی کرامات دکھاتے ہوئے خاموشی کے ساتھ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں پھرا کرتے تھے۔ عوام ان کے گرویدہ اور معتقد ہو جاتے تھے۔

عین اسی ہنگام و مستخیز میں حلاج کا ظہور ہوا۔ بڑی ریاضتہائے شاقہ برداشت کرتا تھا۔ پہاڑ پر چڑھ کر دن دن بھر دھوپ میں بیٹھا رہتا۔ عراق کو اس نے مامن بنایا پہلے اس نے ایک داعی کی حیثیت اختیار کی۔ لوگوں کو اپنی کرامتیں دکھاتا ہوا سرکاری عہدے داروں سے نظریں بچاتا ہوا ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں اور ایک شہر سے دوسرے شہر پھرا کرتا تھا۔ لوگوں کا بڑا مجمع اس کے گرد جمع ہو گیا۔ اب اس نے نئے نئے دعوے شروع کئے اور اس کے مرید ہر بات پر آمنا اور صدقنا کہتے جاتے تھے اور بالآخر خدائی تک نوبت پہنچی۔

سرکاری عہدیداروں کے سامنے ۲۹۹ھ میں سب سے پہلے اس راز کا انکشاف ہوا۔ عراق میں ایک مقام سوسی ہے۔ صاحب البرید یعنی سرکاری محکمہ خبر رسانی کا افسر اعلیٰ وہاں ایک گلی سے گزر رہا تھا، دیکھا کہ ایک بڑھیا آپ ہی آپ بڑبڑاتی ہوئی جا رہی ہے اور یہ کہتی جاتی ہے مجھ کو چھوڑ دو ورنہ میں کہہ دوں گی۔ صاحب البرید نے اس کو گرفتار کر لیا اور واقعہ دریافت کیا۔ پہلے وہ انکار کرتی رہی اور جب اس کو ڈرایا دھمکایا گیا تو اس نے کہا میرے گھر کے پاس حلاج نامی ایک شخص آکر اترا ہے جس کے پاس رات دن لوگوں کا تانتا بندھا رہتا ہے، چھپ کر آتے ہیں اور عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں۔ اسی وقت آدمی بھیجے گئے اور حلاج کو معہ ہمراہیوں کے گرفتار کیا گیا۔ تفتیش کی گئی تو بہت سے خطوط اور کاغذات اس کے پاس سے برآمد ہوئے ان تمام واقعات کی اطلاع دربار خلافت کو دی گئی اور حلاج کو پا بہ زنجیر بغداد روانہ کیا گیا اور وہاں اس کو قید کر دیا گیا۔

اس زمانہ کی اسلامی حکومتوں میں اعلیٰ ترین عہدے دو تھے۔ وزارت اور حجابت، اس وقت بغداد میں حامد بن عباس وزیر اور نصر حاجب تھا۔ حسب دستور جیسا کہ ہمیشہ باہم بڑے بڑے عہدہ داروں میں ہوا کرتا ہے، حامد اور نصر میں باہم چپقلش تھی حلاج کو حامد نے قید کیا تھا۔ حلاج نے اپنا منتر قصر پر پھونکنا شروع کر دیا۔ خلیفہ مقتدر نام کا مقتدر تھا۔ حکومت کی باگ حرم سراؤں کے ہاتھ میں تھی، حرم سرا کی بڑی ماما کو قہرمانہ کہتے ہیں، جس کے ہاتھ میں تمام حرم سرا کا جزو کل ہوتا ہے۔ یہ قہرمانہ سلطنت کے انتظامات میں اس قدر دخیل ہو گئی تھی کہ اس کے مشورہ کے بغیر کوئی کام انجام نہیں پا سکتا تھا۔ خلیفہ کی ماں باقاعدہ دربار لگا کر بیٹھتی تھی اور احکام نافذ کرتی تھی۔

عورتوں کو ہر زمانہ میں دعاء، تعویذ، گنڈا اور دیگر عجائبات و کرامات پر جس قدر جلد یقین آجاتا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ حلاج ان رمزوں میں طاق تھا اور اس نے انہیں ہتھیاروں سے ان پر وار شروع کر دیے۔ یہ وار کارگر ثابت ہوئے۔ حرم کی عورتیں بہت سے وزراء، امراء اور دار الخلافہ کے بہت سے اعلیٰ عہدیدار اور شہر کے عوام کو اس نے اپنا ہموا بنالیا۔ نصر حاجب بھی اس سے مل گیا۔ حکومت کا پورا مسالہ تیار ہو گیا۔

حامد نے یہ دیکھا تو خلیفہ سے اس کے قتل کا اذن طلب کیا اور اس کی کتابیں پیش کیں جن میں بعض باتیں خلاف شریعت تھیں۔ قاضی نے اس کے قتل کا محضر تیار کیا چند نے اس پر دستخط کر دیے۔ خلیفہ نے بھی آخری فرمان صادر کر دیا۔ حلاج کو قید خانہ سے نکال کر پولیس کے حوالے کیا گیا۔ اس نے اپنے اہتمام میں دریائے فرات کے کنارے اس کو قتل کر دیا۔

آخر میں علامہ سلیمان ندوی لکھتے ہیں۔ اس تفصیل کے بعد کس کو اس تسلیم سے عذر ہو سکتا ہے کہ حلاج شہید انا الحق نہ تھا قتل راہ سیاست تھا۔ اس کی

حیثیت مذہبی گناہگار کی اتنی نہ تھی جتنی ایک پولیٹیکل مجرم کی۔ اس کی بے گناہی کا خون (اگر وہ بے گناہ ہے) علماء کے قلم پر نہیں بلکہ سلاطین کی تلوار پر ہے۔

اب اگر قتل کے مندرجہ بالا اسباب و علل کا تجزیہ کیا جائے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حامد بن عباس وزیر کو منصور حلاج کے ساتھ خصومت اور پرخاش تھی خواہ وہ نصر حاجب کی وجہ سے ہو یا ذاتی۔ اس لئے کبھی اس پر عقیدہ حلول کی تہمت لگائی گئی اور کبھی اس کے نعرہ انا الحق کو تکفیر کا جامہ پہنایا گیا۔

جہاں تک ان کے نظریہ حلول کا تعلق ہے تو منصور کی اپنی تصنیف کتاب الطواسین کی مندرجہ ذیل عبارت اس بات کی قطعاً تردید کرتی ہے، فرماتے ہیں۔

> "کہ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ الوہیت بشریت میں ممزوج ہو سکتی ہے۔ یا بشریت الوہیت میں حلول کر سکتی ہے، تو ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عبد و معبود اور محبّ و محبوب دو الگ الگ چیزیں ہیں جو اپنی ذات اور حقیقت کے اعتبار سے جدا، متمائز اور متغائر ہیں اس لئے یہ وجہ بھی اس کے جواز کا سبب نہیں بن سکتی"

باقی جہاں تک نعرہ انا الحق کا تعلق ہے اور کہا جاتا ہے کہ حلاج نظریہ وحدۃ الوجود کا قائل تھا جس کی وجہ سے اس نے یہ نعرہ لگایا تو مسئلہ وحدۃ الوجود کوئی اتنا بڑا جرم نہ تھا کہ اس کی پاداش میں سزائے قتل دی جاتی۔ عام تذکروں کے مطابق تو اسی قسم کا نعرہ مستانہ اور بزرگوں نے بھی لگایا۔ لیکن ان سے کوئی باز پرس نہ ہوئی اور خود محی الدین ابن عربی جو اس نظریہ کے بانیوں میں شمار کئے جاتے ہیں ان کو ایک تازیانہ تک نہ لگا۔ مولانا عطارؒ، مولانا جامیؒ اور مولانا رومؒ وحدۃ الوجود کے قائلین میں سے تھے مگر ان کو کوئی تعزیر نہ دی گئی۔

اور نعرہ انا الحق کے متعلق تو علامہ اقبال مرحوم نے صاف صاف کہہ دیا کہ ؎

کم نگاہاں فتنہ ہا ایگنحتد
بندۂ حق را بہ دار آونیختد

اس کے علاوہ حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ باقی باللہؒ، مولانا رومؒ، حضرت شیخ علی ہجویریؒ، حضرت مولانا فرید الدین عطارؒ، حضرت عارف جامیؒ جیسے کاملین و عارفین اہل حقیقت و بصیرت نے ان کے اس نعرہ کی تعبیرات و توجیہات سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس کلمہ سے منصور کی تکفیر کا جواز ثابت نہ ہوتا۔ لہٰذا یہ وجہ بھی کوئی زیادہ وزن نہیں رکھتی۔

اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ جس وقت مجازی کارکنان قضاء و قدر فتویٰ تحریر کر رہے تھے تو منصور اپنی برائت کے دلائل میں فرما رہے تھے۔

"میری پیٹھ مضبوط ہے، میرا خون حرام ہے، عقیدتاً میں مسلمان ہوں، مذہباً سنی ہوں اور تفصیل اصحاب عشرہ مبشرہ کا قائل ہوں، سنت کے موضوع پر میری تصنیفات معروف ہیں۔ لہٰذا میرے قتل میں خدا سے ڈرو۔ حلاج برابر مذکورہ جملے کہتے رہے تاآنکہ اہل کار اپنے کام سے فارغ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے"۔

جب ایک شخص اپنے عقیدہ کی صراحتاً تشریح کر رہا ہے پھر سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس کو غلط عقائد کی تہمت سے قصداً متہم کیا گیا اور اسی لئے حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ نے ایک شعر میں اس زمانہ کی سیاست کا کس قدر خوب نقشہ پیش کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

چوں قلم در دست غدارے بود
لاجرم منصور بر دارے بود

اور بقول مولانا ابوالکلام آزادؒ "کہ اسلام کے اس تیرہ سو برس کے عرصہ

میں فقہا کا قلم ہمیشہ تیغ بے نیام رہا ہے اور ہزاروں حق پرستوں کا خون ان کے فتوٰں کا دامن گیر ہے۔ اسلام کی تاریخ خواہ کہیں سے پڑھیے سینکڑوں مثالیں ایسی ملیں گی کہ جب بادشاہ خونریزی پر آتا تھا تو دارالافتاء کا قلم اور سپہ سالار کی تیغ دونوں یکساں طور پر کام دیتے تھے، صوفیہ اور ارباب وطن ہی پر منحصر نہیں علمائے شریعت میں سے بھی جو نکتہ بین اور صاحب اسرار ہوتے، فقہا کے ہاتھوں انہیں مصیبتیں اٹھانی پڑتیں اور بالآخر سر دے کر نجات پاتے، منصور بھی اسی تیغ کا شہید ہے۔

منصور حلاج کے حالات کو پڑھنے اور اس واقعہ کے تمام پس منظر اور صوفیہ کرام کے اور بزرگان دین کے خیالات کی روشنی میں یہ نتیجہ باآسانی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جہاں تک حلاج کی تکفیر کا تعلق ہے اس بارے میں یا تو ہم کو دخل ہی نہیں دینا چاہئے جیسا کہ استاد ابو القاسم قشیریؒ نے فرمایا کہ اگر منصور حلاج اہل معانی اور صاحب حقیقت بزرگوں میں سے ہیں تو لوگوں کے ترک کرنے سے وہ متروک نہ ہوں گے اور بارگاہ الٰہی میں ہرگز مردود نہیں ہو سکتے اور اگر وہ طریقت میں متروک اور حق تعالیٰ کی طرف سے مردود ہوئے ہیں تو لوگوں کے قبول کرنے سے وہ مقبول نہیں ہو سکتے۔ یا پھر حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت ابو بکر شبلیؒ کے بقول ان کے معاملہ میں سکوت اختیار کرنا چاہئے اور یا حضرت شیخ علی ہجویریؒ، حضرت مولانا فرید الدین عطارؒ، مولانا عارف جامیؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ جو معرفت و حقیقت میں اپنا منفرد اور ممتاز مقام رکھتے ہیں اور سواد اعظم جن کو بلا اختلاف اپنا رہبر و مرشد اور ہادی و پیشوا مانتا ہے ان حضرات کے اتباع میں منصور حلاج کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہئے اور مؤلف عاصی و ہیچمدان نے بھی انہیں بزرگوں کی تقلید میں حسن ظن کی روش اختیار کی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

☆

مزارِ منصور

معروف بین الاقوامی شخصیت، پاک ٹرکش کلچرل ایسوسی ایشن کے صدر، پاکستان کے مشہور طبیب مخدومی جناب حکیم سید علی احمد صاحب نیر واسطی (ستارۂ خدمت) نے مزار منصور کا حال درج ذیل الفاظ میں فرمایا!

میں وہاں دو مرتبہ گیا۔ مزار ایک عمارت میں واقع ہے جو بند ہے اس لئے اندر نہیں جا سکا۔ عمارت خستہ حالت میں ہے اور اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا میدان ہے۔ بغدادی بچے اس میں کھیل رہے تھے اور جا بجا پرانی اینٹیں اس میدان میں بکھری ہوئی تھیں۔

☆

باب سوم

اقوال و ملفوظاتِ منصورؒ

حضرت ابو المغیث الحسین بن منصور حلاج صاحب تصنیف بزرگ ہیں۔ آپ نے تصوف اور طریقہائے سلوک اور اپنے مخصوص عقائد و نظریات کی تشریح و توضیح میں متعدد کتابیں لکھیں اور رسائل ترتیب دیئے۔ ابن الندیم نے اپنی کتاب الفہرست میں چوالیس کتابوں اور رسائل کی تعداد ان کی تصنیفات کی گنوائی ہیں جن میں چند مشہور مندرجہ ذیل ہیں۔

کتاب التجلیات، کتاب الاحراف المحدثہ والازلیہ والاسماء الکلیہ، کتاب الاصول والفروع، کتاب کید الشیطان، کتاب نور النور، رسالۃ ازل والجواہر والاکبر والشجرۃ الزیتونۃ النوریہ، کتاب سیر العالم والمبعوث، کتاب العدل والتوحید، کتاب علم البقاء والفناء، کتاب مدح النبی المثل الاعلیٰ کتاب ھو ھو۔

مذکورہ کتابیں منصور حلاج کی اہم ترین تصانیف میں شمار ہوتی ہیں لیکن مرور زمانہ سے اب ان میں سے کوئی کتاب بھی دستیاب نہیں ہوئی۔ البتہ منصور حلاج کی آج کل ایک ہی تصنیف دستیاب ہے جو عربی زبان میں ہے اور تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اصل میں یہ کتاب حلاج کی تحریروں کے اجزاء کا مجموعہ ہے۔ جس کو مشہور فرانسیسی متشرق ماسیو ماسینون (M.MASSGINON) نے کتاب الطواسین کے نام سے ترتیب دے کر شائع کیا ہے۔

آپ کی تصنیفات کے متعلق حضرت شیخ علی ہجویریؒ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ آپ کی تصانیف بہت ہیں اور اصول و فروع میں آپ کے رموز اور

آپ کا کلام مہذب ہے اور میں نے جو علی بن عثمان جلابی ہوں آپ کی تصانیف کے پچاس نسخے بغداد اور اس کے گردونواح میں دیکھے ہیں اور بعض تو بہت قوی ہیں اور بعض بہت ضعیف اور بعض زیادہ آسان اور بعض بڑے مشکل۔

اب ذیل میں حلاج کی تصنیفات سے چند اقتباسات اور ان کے اقوال و ملفوظات تحریر کئے جاتے ہیں۔

امام ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ کی تصنیف "رسالہ قشیریہ" جو بقول ڈاکٹر پیر محمد حسن امہات کتب تصوف میں سے ہے اس کتاب کی پہلی فصل میں مسائل سے متعلق صوفیہ کے عقائد بیان کئے گئے ہیں۔ اس میں توحید کے متعلق صوفیہ کے اقوال کا ذکر کرتے ہوئے حضرت امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ شیخ عبدالرحمٰن سلمیؒ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے محمد بن غالبؒ کو کہتے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں نے ابو نصر احمد بن سعید الاستنجائیؒ سے سنا ہے کہ حسین بن منصورؒ نے مسئلہ توحید کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تمام اشیاء کا حادث ہونا لازم قرار دیا ہے کیونکہ قدیم ہونے کی صفت تو صرف اللہ کے لئے ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس چیز کا ظہور بذریعہ جسم ہوتا ہے اس کے لئے عرض کا ہونا ضروری ہے جس کا اجتماع ساز و سامان کے ساتھ ہوگا۔ اس کے قویٰ اسے پکڑے ہوئے ہوں گے۔ جسے وقت نے جمع کیا ہے اسے وقت ہی جدا کرے گا۔ جس کے وجود کا قیام ہی کسی اور پر موقوف ہو اسے ضرورت لاحق ہوگی اور دوسرے کا محتاج رہے گا، جس پر وہم فتح پائے اس کی تصویر ممکن ہے، جو کسی محل میں پناہ گزیں ہو وہ "این" کے ادراک میں ہے۔ جس چیز کی جنس ہوگی اس کا طالب کیفیت کا مالک ہوگا۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات نہ تو فوق کے زیر سایہ ہے اور نہ تحت کے ماتحت ہے، نہ کوئی اس کا مقابل ہے نہ کسی میں اس کی مزاحمت کی طاقت، نہ آگے پیچھے کا اس پر اطلاق ہو

سکتا ہے ، نہ اس سے پہلے کوئی تھا جس نے اسے ظاہر کیا اور نہ بعد میں پیدا ہونے والی اشیاء اس کی نفی کر سکتی ہیں۔ کل کا لفظ اس کو جمع نہیں بنا سکتا اور نہ ہی کان کا لفظ اس کو وجود میں لایا اور نہ لیس کی مناسبت سے فقدان سے دوچار ہوا۔

اس کے اوصاف کی کوئی صفت نہیں اور نہ ہی اس کے افعال کو کوئی علت ہے۔ اس کے وجود کی کوئی انتہا نہیں۔ مختصر یہ ہے کہ وہ مخلوق کے تمام احوال سے منزہ اور پاک ہے۔ نہ تو اس کا مزاج مخلوق کا سا ہے اور نہ اسے اپنے افعال میں تگ ودو کرنی پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مخلوق سے قدیم ہونے سے اسی طرح جدا ہے جس طرح مخلوق حادث ہونے میں اس سے جدا ہے۔

اگر اس کے متعلق متیٰ (کب) سے سوال کیا جائے تو یہ سوال غلط ہوگا اس لئے کہ وجود باری تعالیٰ وقت کے وجود سے پہلے موجود ہے اور اگر ھُو کا لفظ استعمال کریں تو یہ بھی غلط ہوگا چونکہ دونوں حرف "ھ" اور "و" اس کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور اگر "این" کا لفظ کہہ کر سوال کریں تو یہ بھی ٹھیک نہ ہوگا چونکہ اللہ تعالیٰ کا وجود خود اس کا ثبوت ہے۔ اس کی معرفت یہ ہے کہ اس کو واحد جانیں اور اسے واحد جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اسے اس کی مخلوق سے ممتاز و الگ رکھیں، جو تصور اوہام میں آئے اللہ تعالیٰ اس سے مختلف ہے۔ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے شروع کیا وہ اللہ پر کیسے وارد ہو سکتی ہیں یا جن کو اللہ نے پیدا کیا وہ اللہ پر کیسے لوٹ کر آ سکتی ہیں۔

نہ آنکھیں اسے دیکھ سکتی ہیں اور نہ ظن اس کے بالمقابل ٹھہر سکتا ہے اس کے قریب ہونا باعث عزت ہے اور دوری ذلت ، اس کی بلندی اس طرح نہیں کہ وہ اوپر کو چڑھا ہوا ہو اور نہ اس کا آنا ایک مکان کو منتقل ہونے کے ذریعہ ہوتا ہے ، وہی سب سے پہلے وہی سب کے بعد ، وہی ظاہر ہے وہی باطن بھی ، قریب بھی ہے بعید بھی ، اس کی کوئی مثال نہیں وہ سمیع و بصیر ہے۔

''تصوف کے معنیٰ کے متعلق حسین بن منصور کا قول''

رسالہ قشیریہ میں امام ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ فرماتے ہیں کہ شیخ عبدالرحمٰن سلمیؒ نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے عبدالواحد بن محمد انصاریؒ سے سنا اور انہوں نے ابو الفاتک سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حسین بن منصورؒ سے کسی صوفی نے تصوف کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ صوفی کی ذات یکتا ہوتی ہے۔ نہ کوئی اللہ کے سوا اسے قبول کرتا ہے اور نہ یہ اللہ کے سوا کسی کو قبول کرتا ہے۔

منصور حلاج فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ابلیس کو جاتے ہوئے دیکھا تو اس سے پوچھا اے مردود تو نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیوں نہیں کیا اگر تو حکم خداوندی بجالاتا اور سجدہ کر لیتا تو تیری گردن میں لعنت کا طوق نہ ڈالا جاتا اور مردود بارگاہ ایزدی نہ ہوتا۔

شیطان نے جواب دیا کہ میں آپ کی طرح نہیں ہوں کہ جب آپ نے باری تعالیٰ کے دیدار کی خواہش کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے **انظر الی الجبل** (یعنی پہاڑ کی طرف دیکھو) جواب ملا تو آپ پہاڑ کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس کی طرف دیکھنے لگے لیکن مجھ کو جب سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو میں نے جواب دیا کہ نہ میں آپ کے سوا کسی کی طرف دیکھوں گا اور نہ آپ کے سوا کسی کو سجدہ کروں گا اس وجہ سے میں نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنی نظر کسی دوسری جانب نہیں کی اور اس طرح میں نے سجدہ سے انکار کر کے کوئی برا کام نہیں کیا۔

جب لوگوں نے دریافت کیا کہ اس سلسلہ میں موسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں تو آپ نے کہا کہ انہوں نے بھی سچ کہا تھا جب آپ سے اس فقرے کا مطلب دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا کہ آدمی دو طرح کے ہیں کہ چل رہے ہیں ابد کی طرف اس راہ میں کہ چلایا ہے ان کو روز ازل میں۔

لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا عارف کے لئے وقت ہے تو آپ نے فرمایا نہیں کیوں کہ وقت صاحب وقت کی صفت ہے اور جو کوئی اپنی صفت پر آرام اور قرار پکڑے وہ عارف نہیں ہے اس سے اشارہ لی مع اللہ وقت کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

آپ سے دریافت کیا گیا کہ خدا کی معرفت کا راستہ کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ وہ دو قدم ہے، ایک قدم دُنیا سے اٹھانا اور دوسرا قدم آخرت سے، پس وہ واصل بحق ہو گئے اور اپنے مولیٰ تک جا پہنچے۔

لوگوں نے آپ سے دریافت کیا، فقر کی کیا تعریف ہے ؟ جواب دیا۔ فقر یہ ہے کہ ماسوئ اللہ سے مستغنی ہو جانا اور اللہ کی طرف ناظر ہو جانا۔ اور صوفی کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ صوفی وجدانی الذات ہے نہ وہ کسی کو جانتا ہے اور نہ کوئی اس کو جانتا ہے۔ اور فرمایا صوفی وہ ہے کہ جو اشارہ حق سے کرے حالانکہ خلق اشارہ حق کی طرف کرتی ہے، اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ نور خداوندی میں محو ہو جائے۔

فرمایا، معرفت اس کو کہتے ہیں کہ مقام فنائیت میں تمام موجودات کو دیکھے اور جب بندۂ مقام معرفت کو پہچانتا ہے غیب سے اس کو وحی آتی ہے اور اس کے باطن کو گونگا بناتے ہیں تاکہ خدائے تعالیٰ کے خطرہ کے علاوہ کوئی خطرہ اس کے دل میں نہ گذرے۔

فرمایا، جو کوئی نور ایمان سے حق کو ڈھونڈتا ہے، مثال اس کی ایسی ہے کہ کوئی آفتاب کو ستاروں کی روشنی میں ڈھونڈے۔ فرمایا، حکمت تیر ہے اور مومنوں کے دل نشانے اور تیر انداز خدائے تعالیٰ ہے۔ صاحب فراست پہلی ہی نظر میں مقصود کو پاتا ہے اور اس کو کوئی شک اور گمان باقی نہیں رہتا۔

مومنوں کے اخلاق یہ ہیں کہ ان کو تونگری کا قصد میانہ ہو اگر حاصل ہو

توفیہاورنہ فاقہ میں قانع رہے۔ سب سے بڑا خلق وہ ہے کہ خلق کا ظلم وجفااس پر اثر نہ کرے بعد اس کے کہ حق تعالیٰ کو پہچانا ہو۔ کدورت کی آمیزش سے عمل کا پاک وصاف کرنا اطلاق ہے۔ زبان گویا خاموش دلوں کی ہلاکت ہے اور گفتگو علل سے متعلق ہے اور افعال شرکت سے متعلق ہیں اور حق ان سب سے جدا ہے۔ ومایومن اکثرھم باللہ الاوھم مشرکون یعنی نہیں یقین لاتے بہت لوگ اللہ پر مگر ساتھ شریک بھی کرتے ہیں۔

دیکھنے والوں کی بصیرت، عارفوں کی معرفت، علمائے ربانی کا نور اور شائقان ناجی کا طریق ازل سے لے کر ابد تک ذات واحد سے ہے لیکن کون جانتا ہے لمن کان له قلب اوالقی السمع وھوشھیدہ عالم رضامیں ایک بڑااژدھا ہے کہ اس کو یقین کہتے ہیں اٹھارہ ہزار عالم اس کے حق میں مثل ایک ذرہ کے ہیں بیابان میں۔

آزادوہ ہے کہ بندگی کے تمام مقامات کو طے کر گیا ہو اور بجالایا ہو۔ خاطر حق گزیں وہ ہے کہ کوئی چیز اس کو اس کی طرف سے روک نہ سکے۔ مرید اپنی توبہ کے سایہ میں ہے اور مراد عصمت کے سایہ میں ہے۔ مرید وہ ہے کہ اس کے مکشومات پر اس کا اجتہاد سبقت رکھتا ہو اور مراد وہ ہے کہ اس مکشوفات اس کے اجتہاد پر سابق ہوں۔ ترک دنیا زہد نفس ہے اور چھوڑنا آخرت کا زہد دل ہے۔ خودی کا ترک کرنا زہد جان ہے اور زہد کا داغ جو انبیاء علیھم السلام کے دل پر رکھ دیا ہے ویسا داغ کسی کے دل پر نہیں رکھا۔

لوگوں نے آپ سے دریافت کیا دعا کا ہاتھ دراز تر ہے یا دست عبادت؟ جواب دیا کہ ان ہاتھوں کی کسی طرح پہنچ نہیں ہے اس لئے کہ اگرچہ دست دعا کو

وصول کے دامن تک رسائی ہے لیکن مردان راہ خدا کے نزدیک وہ شرک ہے اور اسی طرح دست عبادت کو تکلیف شرعی اور شرطی کے دامن تک رسائی ہے لیکن مردان راہ خدا کو پسند نہیں ہے البتہ جو ہاتھ کہ آفرینش سے زیادہ بلند پہنچے اگر پوچھو تو وہ سعادت ہے اس وقت تو سزاوار عنایت ہو سکتا ہے۔

اکثر یہ مشہور ہے کہ منصور حلاج عقیدہ حلول کے قائل تھے لیکن اپنی تصنیف "کتاب الطواسین" میں آپ نے فرمایا ہے "کہ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ الوہیت بشریت میں ممزوج ہو سکتی ہے یا بشریت الہٰیت میں حلول کر سکتی ہے تو ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ عبد و معبود اور محبّ و محبوب دو الگ الگ چیزیں ہیں جو اپنی ذات اور حقیقت کے اعتبار سے جدا، متمائز اور متغائر ہیں" اس عبارت سے قطعاً اس خیال کی تردید اور نفی ہوتی ہے کہ منصور عقیدۂ حلول کے قائل اور حامی تھے۔

ھُو حیات نفس ہے اور حق حیاتِ دل اور حقیقت جان ہے۔ انبیاء علیہم السلام غالب ہیں احوال پر، اور مالک ان پر پس گردش دیتے ہیں احوال کو، نہ احوال ان کو، اور جو لوگ علاوہ انبیاء علیہم السلام کے ہیں، احوال ان پر غالب ہیں یہی وجہ ہے کہ احوال ان کو گردش دیتے ہیں نہ وہ احوال کو۔

صبر کے متعلق آپ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا، صبر وہ ہے کہ اگر ہاتھ پاؤں کاٹ کر سولی پر چڑھا دیں تو بھی اُف نہ کرے۔

حضرت مولانا فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تعجب کی بات ہے کہ یہ معاملہ آپ ہی کے ساتھ پیش آیا اور آپ نے یہاں تک صبر کیا کہ آہ بھی نہ کی۔

☆

منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جن بزرگان دین کے اقوال جو میری نظر سے گزرے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

☆ حضرت شیخ علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

☆ حضرت شیخ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ

☆ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ

☆ قطب ربانی غوث صمدانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

☆ امام العارفین قدوۃ الواصلین حضرت بندہ نواز خواجہ صدر الدین ابو الفتح سید محمد گیسوئے دراز قدس اللہ سرہ العزیز

☆ حضرت شیخ عبد الحق محدث ومحقق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

☆ حضرت قبلہ عالم پیر سید غلام حیدر علی شاہ جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ

☆ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

☆ قطب الاقطاب حضرت سید بدیع الدین المعروف بہ حضرت شاہ مدار رحمۃ اللہ علیہ

☆ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

"منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے نعرہ "انا الحق" کی مختلف تعبیرات وتوجیہات"

☆ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی تعبیر

☆ آفتاب سلسلہ نقشبندیہ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ کی تعبیر

☆ مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی تعبیر

☆ قطب دوراں حضرت شیخ سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کی تعبیر

☆ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی تعبیر

☆ تعبیر وتوجیہہ کا اصول شرعی

باب چہارم

منصور حلاج رحؒ کے متعلق بزرگانِ دین کے اقوال

حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب کے گیارہویں باب میں تبع تابعین میں سے صوفیا کے امام رضی اللہ عنہم کے عنوان سے جن ہستیوں کا تذکرہ لکھا ہے اس میں ۳۵ ویں میں حضرت ابو المغیث الحسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حالات تحریر فرمائے ہیں۔

کوئی مانے یا نہ مانے لیکن میرے نزدیک منصور حلاج کے متعلق نیک گمان اور روحانی طور پر ان کے علو مرتبت اور بلندی درجات کے لئے یہ بات کافی ہے کہ مطلع انوار، منبع اسرار، ترجمان حقیقت، جامع شریعت و طریقت، سرور جملہ اقطاب، محرم جمیع ابواب حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ المعروف داتا گنج بخشؒ نے حضرت منصور حلاج کو تبع تابعین کی فہرست اور ان نفوس قدسیہ کے زمرے میں تحریر فرمایا ہے۔ اور آپ کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے :

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے ایک عالم معنی میں ڈوبے ہوئے اور اپنے دعوے میں ہلاک شدہ حضرت ابو المغیث الحسین بن منصور الحلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ ہیں۔ آپ طریقت کے مشتاقوں اور مستوں میں سے تھے۔ آپ کا حال قوی اور ہمت عالی تھی۔ مشائخ طریقت کی آپ کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ آپ صوفیہ کے ایک گروہ کے نزدیک تو مردود ہیں اور دوسرے گروہ کے نزدیک مقبول۔ مثلاً عمرو بن عثمان المکی رحمۃ اللہ علیہ، ابو یعقوب ہزجوری رحمۃ اللہ علیہ۔ ابو ایوب اقطع رحمۃ اللہ علیہ اور علی بن سہل اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ان کو

رد کر دیا ہے اور ابن عطارؒ، محمد بن حنیفؒ۔ ابو القاسم نصر آبادیؒ اور سب متاخرین رحمہم اللہ نے ان کو قبول کیا ہے اور پھر ایک جماعت نے آپ کے معاملہ میں توقف کیا ہے۔ مثلاً حضرت جنیدؒ و شبلیؒ، حریریؒ و حصریؒ وغیرہم رحمہم اللہ۔

اور ایک دوسرے گروہ نے آپ کو جادو اور اس کے اسباب سے منسوب کیا ہے لیکن ہمارے زمانہ میں شیخ المشائخ ابو سعید ابو الخیر اور شیخ ابو القاسم گرگانی اور شیخ ابو العباس شقانی رحمہم اللہ نے آپ کے معاملہ کو راز میں رکھا ہے۔ ویسے ان کے نزدیک وہ قابل احترام ہیں۔ لیکن ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر وہ اہل معانی و حقیقت میں سے ایک بزرگ ہوئے ہیں تو لوگوں کے ترک کرنے سے وہ متروک و مردود ہرگز نہیں ہو سکتے اور اگر وہ طریقت میں متروک اور حق تعالیٰ کی طرف سے مردود ہوئے ہیں تو لوگوں کے قبول کرنے سے وہ مقبول نہیں ہو سکتے۔ ہم آپ کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ البتہ جس قدر کہ حق کا نشان ہم نے آپ میں پایا ہے آپ کو بزرگ سمجھتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ تمام مشائخ کرام میں سے سوائے معدودے چند لوگوں کے آپ کے کمال فضیلت، حال کی صفائی اور کثرت اجتہاد و ریاضت کا کوئی منکر نہیں۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں آپ کا ذکر درج نہ کرنا دیانت کے خلاف ہوتا۔ کیونکہ بعض اہل ظاہر ان کی تکفیر کرتے ہیں اور ان کی بزرگی اور ولایت کا انکار کرتے ہیں اور آپ کے حالات کو عذر حیلہ اور جادو سے منسوب کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ حسین بن منصور حلاج دراصل بغداد کا وہ ملحد و بے دین ہے کہ جو محمد بن ذکریاؒ کا استاد اور ابو سعید قرمطیؒ کا رفیق تھا۔ حالانکہ حسین جن کے معاملہ میں مشائخ کے درمیان اختلاف ہے وہ فارسی النسل اور بیضاء کے رہنے والے ہیں اور مشائخ کا ان کو رد کرنا ان کے دین و مذہب میں طعن کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان کے عجیب و غریب حالات کی وجہ سے ہے۔

چنانچہ پہلے وہ سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ ان کی اجازت کے بغیر ان کے پاس سے چلے گئے اور عمرو بن عثمانؒ سے تعلق پیدا کیا۔ اور پھر ان کے پاس سے بھی بلا اجازت چلے گئے اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق پیدا کرنا چاہا لیکن حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو قبول نہ کیا۔ اسی سبب سے وقت کے سب مشائخ نے ان کو چھوڑ دیا۔ پس وہ عمل میں متروک ہیں نہ کہ اصل طریقت میں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو قبول نہ کیا۔ اسی سبب سے وقت کے سب مشائخ نے ان کو چھوڑ دیا۔ پس وہ عمل میں متروک ہیں نہ کہ اصل طریقت میں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ **انا والحلاج فی شئی واحد فخلصنی جنونی واھلکناہ عقلہ**۔ ترجمہ: میں اور حلاج ایک ہی حالت میں ہیں مجھے میرے جنون نے چھوڑ دیا اور اسے اس کی عقل نے ہلاک کر دیا۔ اگر وہ دین میں مطعون ہوئے تو حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ یوں نہ کہتے کہ میں اور حلاج ایک ہی حالت میں ہیں۔

اور حضرت حنیف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، **ھو عالم ربانی**۔ ترجمہ: وہ عالم ربانی ہیں۔ آپ کی بزرگی اور فضیلت پر اور بھی بہت سے شواہد ہیں، پس بعض مشائخ کی ناراضامندی اور ان کی نافرمانی پھل لائی اور طریقت میں لوگوں کی نظر میں مطعون و متروک ہوئے۔

آپ کی تصانیف بہت ہیں اور اصول و فروع میں آپ کے رموز اور آپ کا کلام مہذب ہے اور میں نے جو علی بن عثمان جلابی ہوں آپ کی تصنیفات کے پچاس نسخے بغداد اور اس کے گرد و نواح میں دیکھے اور بعض نسخے خوزستان، فارس اور خراسان میں۔ ان میں ہر قسم کی باتیں پائیں جیسا کہ ابتدا میں مریدوں پر ظاہر ہوا کرتی ہیں۔ ان میں سے بعض تو بہت قوی ہیں اور بعض بہت ضعیف اور بعض زیادہ آسان اور بعض بڑی مشکل۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کسی شخص پر حق تعالیٰ کی

طرف سے کوئی بات ظاہر ہوتی ہے تو وہ اسے اپنی قوت حال کے اندازے کے مطابق لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے اور ایسا کرنے میں حق تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے، لیکن اگر کسی کلام کا مفہوم جلدی جلدی بیان کرنے کی وجہ سے یا بیان کرنے والے کے تحیّر و تعجب کی وجہ سے پیچیدہ ہو جائے تو اس وقت کے بعض لوگوں کی عقل اس کے سمجھنے سے عاجز ہو جاتی ہے اور یہ کہتے ہیں کہ یہ کلام تو بہت ہی بلند ہے۔ غرضیکہ ایک گروہ اپنی جہالت کی وجہ سے اس کا انکار کر دیتا ہے اور دوسرا گروہ بھی جہالت کی وجہ سے اس کا اقرار کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ ایک کا انکار دوسرے کے اقرار کی نذر ہوتا ہے۔ لیکن جب اہل تحقیق و بصیرت غور کرتے ہیں تو نہ تو وہ اس کی عبادت میں الجھتے ہیں اور نہ اس کے تعجب سے متعجب ہوتے ہیں بلکہ وہ اس کی مدح و ذم اقرار و انکار دونوں ہی سے ایک طرف ہو جاتے ہیں۔

اور وہ لوگ جو اس جوانمرد یعنی حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ کے عجیب و غریب حالات کو سحر سے منسوب کرتے ہیں سخت غلطی پر ہیں اس لئے کہ اہلسنت والجماعت کے نزدیک سحر کا وجود کرامت کی طرح حق ہے۔ فرق یہ ہے کہ حالت ہوش میں سحر کا ظاہر کرنا کمال کفر ہے اور مستی میں کرامت کا ظاہر کرنا کمال معرفت ہے، چونکہ جادو خداوند تعالیٰ کے غضب کا نتیجہ ہے اور کرامت اس کی رضامندی کی دلیل ہے اور اہلسنت والجماعت کے صاحب بصیرت حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی مسلمان خسارہ اٹھانے والا جادوگر نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی کافر صاحب کرامت ہو سکتا ہے کیونکہ ضدیں آپس میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

حسین بن منصور حلاج جب تک زندہ رہے نیکی کے لباس میں رہے، مثلاً نمازیں بطریق احسن ادا کرتے رہے...... ذکر الٰہی اور مناجات بکثرت کرتے اور اللہ تعالیٰ کی پاکیزہ حمد و ثنا میں خلوص کے انتہائی درجہ پر رہے اور توحید الٰہی کے عمدہ نکات بیان فرماتے رہے۔ اگر آپ کے افعال سحر پر مبنی ہوتے تو یہ سب نیک

امور آپ سے محال ہوتے۔ پس اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ افعال کرامت تھے اور سوائے محقق ولی کے کسی کو حاصل نہیں ہوتے۔

بعض ارباب حقیقت ان کے ایسے کلمات کی بناء پر جن سے امتزاج واتحاد مفہوم ہوتا ہے ان کا رد کرتے ہیں اور درخور اعتناء نہیں سمجھتے، حضرت شیخ علی ہجویری فرماتے ہیں کہ یہ خرابی دراصل عبارت میں ہے معنی میں نہیں کیونکہ مغلوب الحال شخص کے لئے ممکن نہیں کہ حال کے غلبہ میں اس کی عبارت صحیح ہو۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس عبارت سے معنی اس قدر مشکل ہوں کہ لوگ اس کے مقصود کو نہ سمجھ سکیں اور ان کا وہم ان کے لئے اس عبارت کے ایسی صورت پیدا کردے کہ وہ محض اس جہالت کے باعث اس کا انکار کردیں۔ حالانکہ ان کا یہ انکار خود ان کے قصور فہم کی طرف راجع ہوگا نہ کہ اس معنی کی طرف، لیکن میں نے بغداد اور اس کے نواح میں ملحدین کے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ ان سے محبت کا دعویٰ کرتے تھے اور ان کے کلام کو اپنی بے دینی کی حجت قرار دیتے ہیں اور اپنا نام حلاجی رکھتے تھے اور ان کے معاملہ میں بہت مبالغہ کرتے تھے اور میں انشاء اللہ تعالیٰ ان کے کلمات کے رد میں اور ان فرقوں کے بیان میں ایک مستقل باب لکھوں گا۔

الغرض آپ کا کلام اقتدا کے لائق نہیں اس لئے کہ آپ اپنے حال میں مغلوب ہوئے ہیں اپنے آپ پر قابو رکھنے والے نہ تھے اور اس شخص کے کلام کی اقتدا کی جاتی ہے جو اپنے حال پر قابو پائے ہوئے ہو۔

پس اللہ کا شکر ہے کہ میرے دل میں آپ کی عزت ہے لیکن آپ کا طریق کسی اصل پر صحیح اور نہ ہی آپ کا حال کسی محل پر قائم ہے اور آپ کے احوال میں یہ ظاہر فتنہ بہت ہے۔ مجھے اپنے مکاشفات کی ابتداء میں ان کی نسبت بہت سی دلیلیں ملی ہیں اور اس سے پیشتر میں نے ان کے کلام کی شرح میں ایک کتاب

لکھی ہے جس میں دلائل وبراہین سے آپ کے کلام کی بلندی اور حال کی صحت کو ثابت کیا ہے اور اس کے علاوہ میں نے اپنی دوسری کتاب منہاج الدین میں جس کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے ان کے احوال کی ابتداء وانتہاء کو بیان کیا ہے اور یہاں پر بھی اختصار کے طور پر اتنا بیان کیا۔

پس وہ طریق جس کے اصل کو اتنے اعتراضات کے ساتھ یا اعتراضات سے اتنے اعتراز کے ساتھ ثابت کرنا پڑے اس سے کیوں کر تعلق پیدا کیا جائے اور کیسے اس کی پیروی کی جائے کیونکہ خواہش نفس کو سچائی ہرگز موافق نہیں آتی اس لئے وہ حق سے انحراف کے طریقہ کی کوئی بات تلاش کرتی رہتی ہے کہ اس سے لپٹ جائے۔

آپ سے روایت ہے کہ **الانسان مستنطقات تحت نطقها مستهلكات صامتات**۔ ترجمہ: زبانیں بولتی ہیں لیکن ان کے بولے ہوئے الفاظ میں بعض ہلاک کرنے والے مخفی اور خاموش الفاظ بھی ہوتے ہیں یعنی الفاظ وعبارتیں سب باعث خرابی ہیں اور حقیقت کے بیان کرنے میں بالکل بے کار ہیں کیونکہ جب معنی حاصل ہو جائے تو پھر وہ عبارت کی وجہ سے گم نہیں ہو سکتا اور اگر وہ گم ہو جائے تو عبارت کی وجہ سے پھر پیدا نہیں ہو سکتا اور حقیقت یہ ہے کہ طالب اپنے زعم باطل میں کسی عبارت کو غلط معنی پہناتا ہے اور پھر سمجھتا ہے کہ یہی حقیقی معنی ہیں اور اس طرح ہلاک ہو جاتا ہے، **واللہ اعلم بالصواب**۔

قطب ربانی غوث صمدانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ منصور حلاج نے ٹھوکر کھائی اور ان کو کوئی آدمی ایسا نہ ملا جو ان کو سنبھال لیتا اگر وہ میرے وقت میں ہوتے تو میں ان کو سنبھال لیتا۔

"ذکر حبیب" کے حصہ سوم مسمی "ملفوظات حیدری" جو پیر سید غلام حیدر علی شاہ جلال پوری کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اس میں آپ نے فرمایا کہ

حضرت منصور شہید رحمۃ اللہ علیہ کو حاکمان وقت نے غلطی سے دار پر کھنچوادیا کسی کو ان کی منزل کا علم نہ تھا کہ ان کو اس منزل سے آگاہ کرتا۔ حضرت شبلیؒ بھی صوفی وقت تھے اس وقت شاید منزل منصور سے باخبر ہوں۔

پھر فرمایا، کہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اسماء الاسرار" جو امام العارفین قدوۃ الواصلین حضرت بندہ نواز خواجہ صدر الدین ابو الفتح سید محمد حسینی گیسودراز قدس اللہ سرہ العزیز کی تصنیف ہے۔ موصوف کی رفعت شان اور علوم رتبت کے متعلق صاحب "مراۃ الاسرار" میں لکھتے ہیں۔ او بزرگیر تن خلیفہ حضرت شیخ نصیر الدین محمد اودھی بود۔"

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اخبار الاخیار میں فرماتے ہیں، سید محمد بن یوسف الحسینی الدہلوی خلیفہ راستین شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی است۔ جامع است میان سیادت و علم و ولایت شانے رفیع و مرتبے منیع و کلام علی وارد۔ اورامیان مشائخ چشت مشربے خاص و در میان اسرار حقیقت طریقے مخصوص است۔"

حضرت شیخ خواجہ گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ چشتیہ میں پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے تصنیف تالیف کی جانب توجہ کی اور بکثرت کتابیں اور رسالے تصنیف کیے جن کی تعداد ایک سو سے زائد بیان کی جاتی ہیں۔ خود فرماتے ہیں۔

ہر کس کہ دراں حضرت سلوک کردچیزے مخصوص شد ما بسخن مخصوصیم خدائے ما را بدولت بیان اسرار خویش داد ہر چند میخواہم کہ نظر من از سخن ساقط شود شد۔ آپ کی تصانیف میں "اسمار الاسرار" نہایت بلند پایہ کتاب ہے۔ اس کے دیباچہ میں سبب تصنیف کے بعد حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ خود کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں جس سے اس کتاب کی عظمت کا اندازہ خود مصنف ہی کے الفاظ سے ہو سکتا ہے فرماتے ہیں۔

ان کتابنا ھذا المسمی باسمار الاسرار کتاب لایاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه ولا یختلفه احد من خلقه لیس منه الاالتجرید التوحید وافراد التفرید۔

اس کے بعد فرماتے ہیں: "اصحاب ایں قدر بدانند کہ از خود چیزے نوشتہ ایم ہرچہ مار"املا کردند مابر مستحلی خویش ہماں چیز لابلازیادت و نقصان حکایت کردیم۔

وما ینطق عن الھوی ان ھوالاوحی یوحی نعت محمد الرسول است۔ ھرکه اتباع اوکند واھتمامش درست او بود ورفتن به طریقه او باشد شمه از جوامع الکلم ولمعته از گفتار اوکه نورالھدی وبیان سرالقرب والدنی است نصیبه اوگروه".

اسمار الاسرار کے متعلق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "حقائق و معارف بزبان رمز وایماو الفاظ واشارات بیان کردہ"

اس کتاب کے متعلق اکثر بزرگان دین کا قول ہے کہ فن تصوف و سلوک و معارف میں ہندوستان میں اس سے بہتر اور اعلیٰ تو کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔ مبتدی متوسط اور منتہی سب کے لئے مفید ہے۔ اس میں ذکر ہے، شغل ہے، مراقبہ ہے۔ مراتب و سلوک کا بیان ہے۔، عشق ہے، توحید ہے۔ حقیقت ہے اور معرفت ہے غرضیکہ سب ہی کچھ ہے۔

آمدم بر سر مطلب اس کتاب "اسمارالاسرار" کے چودھویں سر میں حضرت خواجہ محمد گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ نے منصور حلاج کے متعلق جس عجیب و غریب انداز میں ذکر فرمایا۔ ہے وہ انہیں کا مقام ہے دوسرا شخص تو اس قسم کے اظہار خیال کی جرات بھی نہیں کر سکتا۔

عظار غرور برصدر دل او کشیده از او را از شعور
برده از آنکه انا الحق گوید اوبوهمی وخیالی گفت
واگرنه پرکاله کردن چگونه میسر آید.
سبحان الله او سخن از حقیقت گوید برومعاملت
مجاز رو ولا حول ولا قوة الا بالله چنیں دانم وهم
چنیں تحقیق کردم کہ از خود بازد بغیر خودنه پرواد
و خود بخود محبت شود و خود باخود محبوب
گردد۔ خود رابر آرد خود را فروزند ونه برآورون
ونه فروزون وجوری و شهوری دادونبیت۔ ؎

خود میگوید وازخود می شنود
برما و شما بهانه برساخته اند

حضرت شیخ عبدالحق محدث و محقق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف "مرج البحرین" کے وصال نہم بعنوان "شریعت، طریقت اور علمائے صوفیہ طریقت میں ہم آہنگی" میں حضرت منصور حلاج کا ضمناً یوں ذکر فرمایا ہے۔

فرماتے ہیں یہ خیال بڑا ہی ناپختہ ہے کہ ہم طریق تصوف کو شریعت اور قرآن و سنت کے مخالف سمجھنے لگیں۔ حاشاوکلا ان دونوں چیزوں میں کوئی مغائرت یا اختلاف نہیں ہے۔ سنت اسلامیہ کے خاص الخاص اراکین تو صوفیہ کرام ہیں۔ یہ لوگ نور سنت کا استنباط کرتے ہیں اور حجاب حقیقت کو اٹھاتے ہیں۔ سلوک طریقت پر عملاً اور حالاً چلتے ہیں۔ حقائق کی تحقیق ان کے ہاں ہی پائی جاتی ہے۔ اس پر یقین رکھتے ہیں۔ نفس کے مکر کی صراحت ان کے ہاں پائی جاتی ہے۔ اتقا اور تہذیب اخلاق کی واقفیت میں یکتا ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں تزکیہ ظاہر و تصفیہ باطن، تخلیہ قلب اور تزکیہ روح میں کوئی دوسرا طبقہ ان کا مقابلہ

نہیں کر سکتا اور انہیں جس طرح اعمال و احوال ، اخلاق و عادات ، وجد و ذوق ، نکات و اشارات غرضیکہ انسانی اخلاق کے کمالات حاصل ہیں کسی دوسرے طبقہ میں نہیں پائے جاتے۔

اس کے باوجود بعض حضرات حال سکر کے غلبہ میں ایسے کلمات کہہ گزرے ہیں اور ایسے اشارات ظاہر ہوئے ہیں جو ظاہری فیصلوں کے خلاف اور شرعی فتووں کے برعکس تھے۔ ایسی چیزیں بے ادبی، خطاکاری اور خلاف شرع ہیں اور اہل تصوف نے اسے مبہمات اور توہمات قرار دیا ہے۔

(۱) ابن منور حلاجؒ نے انا الحق کہہ دیا (۲) بایزید بسطامیؒ نے سبحانی ما اعظم شانی پکارا (۳) خواجہ شمس تبریزیؒ نے قم باذنی کا دعویٰ کیا (۴) اور ایک شخص نے لیس فی جبتی سوی اللہ اور انا ہو و ہو انا کا اعلان کیا (۵) حضرت شبلیؒ نے ڈاڑھی کو نورہ لگایا۔ اشرفیوں کی تھیلی دریائے دجلہ میں پھینک دی اور نئے کپڑے تار تار کر دیئے۔ (۶) حضرت ابو حمزہ خراسانیؒ نے کنویں میں گر کر کسی کو استعانت کے لئے نہ پکارا (۷) اور حضرت ذوالنون مصریؒ نے مقام مہلک کو اپنی رہائش گاہ کے لئے اختیار کر لیا۔ (۸) شیخ ابو الحسن نوریؒ مقتل میں خود بخود پہنچ گئے۔ غرضیکہ اس قسم کے ہزاروں واقعات و معاملات ان بزرگان طریقت سے عالم سکر و حال میں رونما ہوتے رہے ہیں اور ان پر ان کا ضبط و اختیار نہیں تھا۔ ایسے واقعہ پر صوفیہ و فقہا دونوں برابر ہیں۔ علمائے عظام پر غلبہ احوال رہا اور صوفیہ کرام پر حالت سکر و حال طاری رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں گروہ قولاً و فعلاً برگزیدہ تسلیم کئے گئے ہیں، کیونکہ صوفیہ کرام نے ایسے مقاملات میں اپنے عقیدت مندوں اور مریدوں کو اتباع کی تلقین نہیں کی۔ بلکہ ایسے امور سے منع فرمایا ہے۔ ان کے یہاں بھی اتباع و اقتداء کے لائق صرف احکام شریعت ہی ہیں یا طریقت کے وہ قواعد جن کی بنیاد یں علم شریعت پر ہوں۔ انہوں نے ایسے امور ذوق و شوق جن کی بنیاد غلبہ حال پر ہے

کی اتباع کی طرف کبھی دعوت نہیں دی۔

"ذکر حبیب" مصنفہ ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر رسالہ "صوفی" منڈی بہاؤالدین جس میں حضرت قبلہ عالم وعالمیان پیر سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحب جلال پوری نور اللہ مرقدہ کے حالات وکرامات تحریر کئے گئے ہیں اس کے حصہ سوم مسمی "ملفوظات حیدری" میں منصور حلاج کے متعلق چند ملفوظات بیان کئے گئے ہیں۔

مصنف موصوف لکھتے ہیں کہ یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ جو مردان خدا، خدا کے قرب ووصال سے سرفراز ہوتے ہیں ان کی باتوں میں اسرار الٰہی کی جھلک بیش از بیش پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کے کلام میں صداقت وروحانیت کی وہ شان نظر آتی ہے جو دوسروں کے کلام میں نظر نہیں آتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہیں بولتے بلکہ ان کی زبان میں کوئی اور بول رہا ہے۔

قم باذنی اور انالحق کہتے ان کی کیا مجال
شمس اور منصور کے منہ میں زبان تُو ہی تو تھا

مصنف موصوف نے مولوی غلام رسول ساکن کالووالی ضلع گجرات کے حوالہ سے حضرت پیر سیّد غلام حیدر علی شاہ صاحب کے مندرجہ ذیل ملفوظات لکھے ہیں۔

فرمایا حضرت سرمد علیہ الرحمۃ کو اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ نے غلط فہمی سے قتل کرادیا۔ آپ ہمیشہ کلمہ **لا الہ الا اللہ** کا ذکر فرماتے تھے۔ بادشاہ اور قاضی نے کہا کہ اس سے آگے بھی کہیئے۔ آپ نے فرمایا اس سے آگے کچھ نہیں۔ چند مرتبہ اصرار ہوا مگر سرمد اپنی ضد پر قائم رہے اس لئے حکم بادشاہ سے قتل کئے گئے۔

قتل کے بعد حضرت سرمد شہیدؒ کے سر مبارک سے آواز آئی۔

سر در قدم یار فدا شد چہ بجا شد
ایں بارگراں بود ادا شد چہ بجا شد

ترجمہ : میرا سر دوست کے قدموں پر فدا ہو گیا، کیا ہی اچھا یہ عظیم بار جو میرے اوپر تھا وہ ادا ہو گیا، بہت ہی اچھا ہوا۔

پھر آپ کے جسم مبارک سے کلمہ **لا اله الا الله** اور سر سے **محمد رسول الله** کا ورد جاری ہو گیا۔ یہ حال دیکھ کر بادشاہ اور قاضی حیران و شرم سار اور خائف ہوئے۔

فرمایا کہ حضرت منصور شہید رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حاکمان وقت نے غلطی سے دار پر کھچوادیا۔ کسی کو ان کی منزل کا علم نہ تھا کہ ان کو اس حال سے آگاہ کرتا۔ حضرت شبلیؒ بھی صوفی وقت تھے اس وقت شاید منزل منصور سے بے خبر ہوں وہ تو گروہ مشائخ سے تھے۔ بعض اوقات انبیاء پر بھی ایسا وقت آتا ہے جس کی نسبت حضرت رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں: **"لی مع الله وقت" لا یسعنی فیه ملك مقرب ولا نبی مرسل.**

مولانا شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسبت فرماتے ہیں۔

کے پرسید زاں گم کردہ فرزند — کہ اے روشن گہر پیر خرد مند
زمصرش بوئے پیراہن شمیدی — چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی
بگفت احوال ما برق جہانست — دمے پیدا و دیگر دم نہاں است
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم — گہے بر پشت پائے خود نہ بینم
اگر درویش بر یک حال ماندے — سر دست از دو عالم بر فشاندے

پھر فرمایا! کہ ایک دیوانہ بالکل برہنہ گدھے پر سوار حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، حضرت صاحب اس وقت مراقبہ میں سرنگوں بیٹھے ہوئے تھے۔ دیوانہ نے کہا نیچے کس کو دیکھتے ہو

میں تو یہ کھڑا ہوں۔ آپ نے اس کی طرف توجہ دی تو وہ گدھے سے اتر آیا۔ کپڑے پہنے بدن ڈھانکا۔ نماز پڑھی اور اپنے گدھے کو لے کر چلا گیا۔

حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دیوانہ بھی منزل منصور میں تھا لیکن اب ہوش میں آگیا، اگر منصور سولی پر بھی ہمارے زمانہ میں ہوتے تو ہرگز سولی نہ چڑھائے جاتے۔ گلزار مدار المعروف بہ شمشیر بدیع، مصنفہ سیّد محمود علی مائل (مطبوعہ لاہور ۱۳۵۲ھ) جس میں قطب الاقطاب امام العارفین سردار الاولیاء حضرت سیّد بدیع الدین قدس سرہ العزیز المعروف بہ حضرت شیخ مدار کے حالات و کرامات و ملفوظات ترتیب دیئے گئے ہیں اس میں مندرجہ ذیل واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

شیخ محمد لاہوری جو اپنے وقت کے فاضل اور عالم تھے اور وعظ بھی تھے۔ آپ سات سال تک حضرت شیخ مدار کی خدمت میں رہے۔ ایک روز دریافت کیا کہ حضرت مؤحد و واحد میں کیا فرق ہے؟

فرمایا مواحد و واحد کا مادہ ایک ہی ہے۔ بہت سے لولیاء اللہ اس میں ہلاک ہو گئے ہیں۔ مثلاً منصور حلاج۔ دریافت کیا حضور وہ کس طرح، وہ کس درجہ میں تھے۔ فرمایا اس مقام پر آکر عاشق اپنے معشوق کو اپنے جامہ میں دیکھتا ہے۔ عاشق کو خود ولر فتگی کے باعث اس جامہ کو اپنا حجاب سمجھ کر پھاڑ دیتا ہے لور منصور اسی مقام پر تھے۔

ایک روز حضرت شاہ مدار کی مجلس میں عشق الٰہی کا تذکرہ ہو رہا تھا کہ حضرت موصوف کی زبان سے بے ساختہ عالم کیف میں یہ شعر نکلا۔ ؎

بجیادہ کردہَ کہ کنی خانہ ہا خراب

اے خانما خراب چہ بجیاد کردہَ!

منصور حلاج کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل عبارت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی کی تصنیف احکام شریعت سے ماخوذ ہے جس

میں ایک مسئلہ کے جواب میں کہ "کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ حضرت منصورؒ و تبریزؒ و سرمدؒ نے ایسے الفاظ کہے جن سے خدائی ثابت ہوتی ہے تو دار پر چڑھائے گئے اور کھال کھینچی گئی، لیکن وہ ولی اللہ گنے جاتے ہیں اور فرعون و شداد وہامان و نمرود نے دعویٰ کیا تو مخلد فی النار ہوئے۔ اس کی کیا وجہ ہے"۔ اس مسئلہ کے جواب میں مولانا موصوف فرماتے ہیں۔

"الجواب! ان کافروں نے خود کہا اور ملعون ہوئے اور ان حضرات نے خود نہ کہا اس نے کہا جس کو کہنا شایان ہے آواز بھی انہیں سے مسموع ہے۔ جیسے حضرت موسیٰؑ نے درخت سے سنا، انی انا اللہ میں ہی ہوں اللہ رب سارے جہان کا، کیا درخت نے کہا تھا۔ حاشاو کلا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے۔ یوں ہی یہ حضرات اس وقت شجر موسیٰ علیہ السلام ہوتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ عالم"

☆

باب پنجم

کلام منصورؒ

ابو عبداللہ حسین بن منصور حلاجؒ صاحب دیوان شاعر ہیں۔ اگرچہ ان کا دیوان اب نایاب ہے مگر اکثر تذکرہ نویسوں نے ان کے کلام کا ذکر کیا ہے۔

جناب شیخ عبدالوہاب شعرانی "طبقات الکبریٰ" میں منصور حلاجؒ کے کلام کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :

ومن كلامه رضى الله عنه حجهم بالاسم فعاشوا ولو ابرزهم علوم العدرة لطاشوا ولو كشف لهم عن الحقيقته لماتوا وكان يقول اسماء الله من حيث الادراك اسم ومن حيث الحق حقيقته و كان يقول اذا تخلص العبد الى مقام المعرفته اوفى اليه بخواطره

حلاج کا مندرجہ ذیل کلام حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی کی تاریخ بغدادی سے ماخوذ ہے۔

حافظ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ ہم سے عبدالعزیز بن علی الوراق نے بتایا کہ انہوں نے علی بن عبداللہ بن جہم سے سنا کہ حسین بن منصور نے احمد بن عطاء کو خط لکھا اور اس کے ساتھ یہ شعر تحریر کئے۔ وہ خط یہ ہے۔

"اطال الله لى حياتك، واعد منى وفاتك، على احسن ماجرى به قدر، اونطق به خبر، مع ماان لك فى قلبى من لواعج اسرار محبتك، وافانين ذخائر مودتك

مالایترجمه کتاب، ولا یحصیه حساب ولا یفنیه عتاب وفی ذالك.

اقوال!ـ

کتبت ولم اکتب الیك وانما کتبت الی روحی بغیر کتاب
وذالك ان الروح لافرق بینها وبین محبها بفضل خطاب
فکل کتاب صادر منك وارد الیك بمارد الجواب جواب

اب ذیل میں منصور حلاج کا مختلف کلام تحریر کیا جارہا ہے جو خطیب بغدادی کی تاریخ سے اخذ کیا گیا ہے۔ـ

دلال یا محمد مستعار دلال بعد ان شاب العذار
ملکت و حرمته الخلوات قلبا محبت به وقربه القرار
فلا عین یورقها اشتیاق ولا قلب یقلقله ادکار
نزلت بمنزل الاعداء منی وبنت ولا تزور ولا تزار
کما ذهب الحمار بام عمرو فلا رجعت ولا رجع الحمار
منی سموت عینی لغیرل اوبکت فلا عطیت مامنیت وتمنت
دان احمرت نفسی سواك ولارعت ریاض المنی من جنتك وجنت

☆☆☆

لئن امیت فی ثوبی عدیم لقد بلیا علی حرکریم
فلا یحزنك ان البصرت حالا مغیرة عن الحال القدیم
علی نفسی ستتلف اور سنوتی لعمرك بی الی امرجیم!

☆

باب ششم

انتخاب کلام متعلق منصور حلاج ؒ

وہ اشعار جن میں منصور حلاج ؒ کا ذکر کیا گیا

آستیں بر رخ کشیدہ ہمچو مکار آمدی
باخودی خود در تماشہ سوئے بازار آمدی

خویشتن را جلدہ کردی اندرس انبیا
آئینہ الشمس نہادی خود بہ اظہار آمدی

در بہار اں گل شدی در صحن گلزار آمدی
بعد ازاں بلبل شدی با نالہ وزار آمدی

شور منصور از کجا و دار منصور از کجا
خود زدی بانگ انا الحق خود سر دار آمدی

گفت قودسے فقیرے در فنا و در بقا
خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

حضرت مولانا عبدالقدوس گنگوہی ؒ

مندرجہ ذیل کلام شاعر کامل جناب مرزا عبدالقادر بیدل کا ہے جس میں انہوں نے منصور حلاج سے متعلق ایک واقعہ خواب کو نظم کیا ہے جو موصوف کے مجموعہ کلام "نکات بیدل" سے ماخوذ ہے۔ اس نظم میں بیدل نے جس لطیف پیرایہ میں مصطلحات مسئلہ وحدۃ الوجود کا ذکر کیا ہے اور کس قدر حسین اور عمدہ استعارات میں واقعہ منصور کو بیان کیا ہے اور کیسی دلکش اور موزوں تلمیحات پیش کی ہیں۔ اس بات کا اندازہ فارسی داں اہل ذوق حضرات ہی کر سکتے ہیں۔ ؎

شبے روح منصورم آمد بخواب
تمنا بہ پرسش نمود اضطراب

کہ در خجلت آباد عجز وجود
نفس سرکش دعوئ حق چہ بود

محال است در دیدہ اعتبار
کہ گرد زا امکاں وجوب آشکار

نہ یا بدبہ تقید اطلاق راست
نہ شاید زے عالم تاک خواست

زمیں آسمانی کند حیرت است
رہ بحر ساحل زند خجلست

تقدس زبان تنزہ بیاں
کہ اے پختہ اعتبارات خام
زذات احد اسم چندے دمید
صفائے کز اسما زند راہ فہم
عیاں نیست زیں گفتگوئے ہوس
چہ اسم وصفت نغمہ ساز غیب
جہانے ازیں نغمہ ممتاز شد
دے کایں جرسہاز آواز ماند
ازاں نغمہائے خیال اعتبار
دو روز نفس شوخی اظہار بود
بیک بار حق گفتم و حق شدم
ازاں معنی بے نشاں دوریم
نفس وار از امتحاں دم زدم
تخیل زمانے گل افشاندو رفت
کنوے امتیازے کہ من کیستم
نگاہے کہ دروہم زار قیود
بساطیکہ تا دم زنی برہم است
غبارے کز ارواح و اجسام بود
یقین داں کہ در عالم قیل و قال
باسمیکہ خود راتوانی ستود
دریں بحر پر کسوت ماؤ تو
زہر موج پیداست شور دگر

بایں رنگ شد آگہی ترجماں
مقید چہ رنگست و مطلق کمام
زہر اسم کیفتے شدپدید
تو خواہی یقیں لشمر و خواہ وہم
بغیر از یقنے کہ وہم است بس
تو ہم جنازے ز آواز غیب
صدائے جرس کارواں سازشد
ہماں شوخی کارواں باند ماند
نوائے ز منصور آمد بیار
زگرد من وما نمودار بود
مقید ز خود رفتہ مطلق شدم
ہود است جزاسم منصوریم
ہوس نسخہ بود برہم زدم
گلے در نظر رنگ گرداند ورفت
کجایم چہ بودم کیم چیستم
کہ ے گفت منصورو حق گوکہ بود
ہماں اعتبارات بیش و کم است
ہمیں نام بود و ہمیں نام بود
بصد رنگ داری ظہور خیال
زجیب ہماں جلوہ گرد نمود
زبانہاست چوں موج در گفتگو
ولے جملہ از شور خود بے خبر

بوقت خموشی نماید عیاں | کہ درکام دریاست چندیں زباں
اگر شوق منصوریت نیست بیش | چہ دریائی از شوخی راز خویش
بہ تحقیق ایں جلوہ بے نشاں | نگاہیست در چشم قربانیاں

کلام اقبال متعلق حلاج

ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں کہ عارف رومیؒ کی صحبت کا یہ فیض تھا کہ میں نے افلاک کے سفر کو طے کیا اور ان کی معیت میں فلک مشتری تک رسائی حاصل کی۔ جب میں یہاں پہنچا تو میں نے تین روحیں دیکھیں جن کے دل عشق کی آگ سے منور ہیں۔ یہ ان عاشقوں کی روحیں تھیں جو اپنی ہی شراب سے مست تھے۔ رومی نے مجھ سے کہا کہ یہ روحیں غالب، طاہرہ اور حلاج کی ہیں۔ ان میں جو سوز و گداز ہے یہ سب عشق کا کرشمہ ہے۔

زندہ رود حلاج سے یہ سوال کرتا ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ کم نگاہوں نے ایک بندہ حق یعنی منصور حلاج کو سولی پر چڑھا دیا یا بالفاظ دیگر اقبال حلاج سے دریافت کرتا ہے کہ آخر بتا تو سہی تیرا قصور کیا تھا۔

کم نگاہاں فتنہ ہا ایگنختند | بندہ حق را بہ دار آویختند
آشکار ابر تو پنہاں وجود | باز گو آخر گناہ تو چہ بود؟

حلاجؒ نے جواب دیا کہ جب میں نے اپنے زمانے کے مسلمانوں کی دینی اور مذہبی حالت کا مطالعہ کیا تو یہ حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی کہ مسلمان اگرچہ زبان سے توحید الٰہی کا اقرار کرتے ہیں مگر اس کے مفہوم سے بے گانہ ہو چکے ہیں۔ دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ خدا کے سوا کسی کے آگے سر نہیں جھکاتے مگر عملاً ان میں اور کافروں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

توحید کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ موحد دنیا میں سربلند ہو کیونکہ کائنات میں

اس سے اشرف اور کوئی مخلوق نہیں ہے۔ توحید انسان کی خودی کو آسمان پر پہنچا دیتی ہے۔ توحید انسان کی خودی کی مخفی قوتوں کو آشکارا کردیتی ہے۔ مگر مسلمانوں نے تو خودی کو نقش باطل قرار دے دیا۔ انہوں نے اپنے عمل سے اپنے عقیدہ کو باطل کردیا۔ انہوں نے کہا "امر حق" یعنی خودی روح انسانی ایک موہوم اور باطل شے ہے۔

جب میں نے یہ حالت دیکھی تو میں نے اپنی خودی کی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کیا۔ میں نے اپنے اندر زندگی کی آگ بھڑکائی (من بخود افروختم نار حیات) میں نے یہ کام اس لئے کیا کہ مسلمانوں کو حیات کے اسرار یعنی خودی کی مخفی طاقتوں سے آگاہ کرسکوں۔ اور اس کے بعد حلاجؒ نے خودی کے مفہوم کو واضح کیا ہے۔

حلاجؒ کے جواب کو علامہ اقبال یوں بیان فرماتے ہیں۔ ـــ

اقبال

بود اندر سینہ من بانگ صدر
مومناں باخوئے وبوئے کافراں
امر حق، گفتند نقش باطل است
من بخود افرو ختم نار حیات

حلاج

ملتے ملتے دیدم کہ دار وقصد گور
لا الہ گویاں و از خود منکراں
زانکہ او وابستہ آب و گل است
مردہ را گفتم ز اسرار حیات

اقبال

از خودی طرح جہانے ریختند
ہر کجا پیدا و ناپیدا خودی
نارہا پوشیدہ اندر نور اوست
ہر زماں ہر دل دریں دہر کہن
ہر کہ از نارش نصیب خود نمرد
ہندو ہم ایران زنوش محرم است
من ز نور و نار او دادم خبر

حلاج

دلبری با قاہری آمیختند
برنمے تابد نگاہ وا خودی
جلوہ ہائے کائنات از طور اوست
از محمودی در پردہ مے گوید سخن
درجہاں از خویشتن بیگانہ مرد
آنکہ نارش ہم شناسد آں کم است
بندہ محرم گناہ من نگر

آنچہ من کردم تو ہم کردی تبرس　　　محشرے بر مردہ آوردی بترس

☆

من از رمز اناالحق بازگویم　　　دگر باہند و ایراں راز گویم
مع در حلقہ دیرِ ایں سخن گفت　　　حیلت از خود فریبے خوردتد من گفت
خود گم بہر تحقیق خودی شو　　　انا الحق گوئے و صدیق خودی شو
قصہ دارورسن بازی طفلانہ دل　　　التجائے لونی سرخی افسانہ دل

علامہ اقبالؒ

☆☆

منم عثمان مروندی و یار شیخ منصورم
ملامت مے کند خلقے دمن بردا رے رقصم

حضرت عثمان مروندی المعروف لعل شہباز قلندرؒ

☆☆

کجا کنعاں کجا بغداد مستاں
انا الحق گو سرے بردار او نیست

جناب عیشاپوری

☆☆

مثال منصور تیرے شیدا جہاں میں سنتے نہیں کسی کی
مگن وہ رہتے ہیں اپنی دھن میں خیال دارورسن نہیں ہے

☆

یہ کہہ رہی تھی سر دار جرات منصور
اگر میں چاہوں تو دارورسن کو آگ لگے

ساتھ کوئی نہ گیا شور انا الحق کی قسم
ہمیں پہنچے جو کبھی دارورسن تک پہنچے

جناب عظیم لاہوری مرحوم

☆☆

نغمے برس رہے ہیں درود و سلام کے
صوت ہزار آپؐ کے روضہ کی جالیاں
منصور اور بلال کو بے خود بنا دیا
کیف و خمار آپؐ کے روضہ کی جالیاں

جناب ساغر مرادآبادی مرحوم

☆☆

بے صدا ہے ترانہ منصور
عقدہ دار کون سلجھائے

حضرت عثمان مروندی المعروف لعل شہباز قلندرؒ

☆☆

باب ہفتم

منصورؒ کے نعرۂ ''اناالحق'' کی تعبیرات وتوجیہات

اس باب میں وہ تاویلات اور توجیہات بیان کی جارہی ہیں جو مختلف اکابرین صوفیہ نے منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے نعرۂ اناالحق کے متعلق کی ہیں :

روحانی طور پر منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کو محترم اور معذور ماننے والوں میں ایسے بڑے بڑے مشائخ گذرے ہیں جن کو سواد اعظم حقیقی مرشد و شیخ مانتا ہے مثلاً حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ، شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ، حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ہم۔

حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ صوفیہ کا ایک گروہ جن میں عمرو بن عثمان مکیؒ۔ ابو یعقوب اقطعؒ، ابو یعقوب نہرجوریؒ کے نزدیک حسین بن منصور حلاج مقبول ہیں۔ نیز ان کے علاوہ ابن عطارؒ، محمد بن خفیفؒ، ابو القاسم نصر آبادیؒ جیسے جملہ متاخرین ان کو مقبولین میں شمار کرتے ہیں اور ابو سعید ابو الخیرؒ۔ شیخ ابو القاسم گرگانی، شیخ ابو القاسم شقائی منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق نیک گمان رکھتے ہیں۔

یہ بات قابل غور ہے کہ ابن العربی جیسا شیخ طریقت جب حسین بن منصور حلاج کو زندقہ اور الحاد کی بجائے اچھے عمل پر اتارتا اور حسن ظن کی رعایت دیتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ لوگ جو تصوف کی ابجد سے بھی نابلد ہیں خواہ مخواہ

کیوں تکفیر پر اتر آئیں اور خطرۂ آخرت مول لیں۔

جب تک کوئی شخص خود صاحب مقام نہ ہو اسے نہ تو تصدیق کرنی چاہئے اور نہ تکذیب۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم اپنی کتاب فتویٰ دلیل الطالب کے ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ امام شوکانی نے اپنے ایک رسالہ میں حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کی تکفیر کر کے چالیس سال کے بعد رجوع کیا اور یہ لکھا کہ میں نے فتوحات مکیہ میں غور کر کے شیخ اکبر کے کلام کا محمل صحیح بطریق تاویل سمجھ لیا ہے اور اب میں اپنی سابقہ تحریر سے توبہ کرتا ہوں۔

بعض اکابر مشائخ کی زبان پر خاص خاص حالات میں ایسے کلمات بھی جاری ہوئے ہیں جو بہ ظاہر نصوص آیات واحادیث کے مخالف معلوم ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اکثر علمائے اسلام نے بلا تاویل ایسے کلمات کہنے والے کی تردید و تکفیر کر دی ہے مگر بعض محتاط حضرات نے توسع اور استعارہ پر نظر کر کے ایسے کلمات کا کوئی محمل صحیح قرار دیا ہے اور تکفیر سے اجتناب کیا ہے اور یہی مسلک اصوب واسلم بھی ہے کیونکہ جب ہمیں قطعاً علم ہے کہ قائل متبع کتاب و سنت و صحیح علم والعمل ہے تو صرف ایک ایسے جملہ کی وجہ سے جس میں توسع اور استعارہ کو بہت وسیع دخل ہے ہم کیونکر تکفیر کر سکتے ہیں، جو اصحاب حضرت مشائخ کے کلام میں اشارات، تلمیحات اور تشبیہات واستعارات اور تمثیلات وکنایات کی حقیقت سے واقف ہیں وہ یقیناً ایسے جملوں کو جو بظاہر مخالف شریعت معلوم ہوتے ہیں ہرگز موجب زندقہ والحاد قرار نہیں دیتے۔

سالک کو مقامات توحید کے طے کرنے میں بعض اوقات ایسے حالات پیش آجاتے ہیں جن میں وہ شعور خارجی سے بالکل بے خبر ہو جاتا ہے بلکہ اس سے بھی آگے ایک مقام ایسا بھی پیش آتا ہے جس میں اس کو اپنی ذات کا بھی شعور نہیں رہتا، حتی کہ وہ عدم شعور کے شعور سے بھی بے بہرہ ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں

جب کہ انوار جلال و جبروت اس پر غالب آکر اس کے آثار بشریت مضمحل اور ناپید کر دیتے ہیں اور مقام مشاہدۂ حق میں جمعیت کلی سے متصف ہو جاتا ہے تو بسا اوقات اس کی زبان پر ایسے کلمات جاری ہونے لگتے ہیں جو عوام النّاس کے دلوں میں حلول واتحاد کا خیال پیدا کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ایسے حضرات حلول واتحاد ہر دو سے بیزار اور ان کے قائل کی تکفیر کے قائل ہوتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کلمات بعض اکابر کی زبان پر غلبہ سُکر کی حالت میں جاری ہوتے ہیں ان کی توجیہہ صحیح یہ ہو سکتی ہے کہ وہ حضرات ان کلمات کو بحیثیت باری تعالیٰ ناقل ہونے کے زبان پر لاتے ہیں اور اس نقل سے بجز اس کے اور کوئی بات مقصود نہیں ہو سکتی کہ محبوب کے کلمات کو استلذاذاً پر لایا جاتا ہے اور **سبحانی ما اعظم شانی یا انا الحق** وغیرہ کی صحیح توجیہہ یہی ہو سکتی ہے۔

کیونکہ منبع شریعت کی نسبت یہ خیال کبھی درست نہیں ہو سکتا کہ وہ حالت صحت و عقل و ہوش اور بقید حواس اپنے آپ کو خدا کے خالق السّمٰوات والارض کہنے لگے، چنانچہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت روایت ہے کہ جب آپ سے کہا جاتا کہ حالت سُکر ایسے کلمات آپ کی زبان پر جاری ہوئے ہیں تو آپ مریدین سے فرماتے کہ تم لوگوں نے کیوں مجھے نہیں روکا۔

مختصر یہ ہے کہ جب اکابرین کے کلام میں اس قسم کا کوئی جملہ پایا جائے تو اس کو اس قسم کے مجاز و استعار پر محمول کر کے توجیہہ صحیح پیدا کر لینی چاہئے اور ظن فاسد سے علیحدہ رہنا ہی اصوب و اسلم ہے۔

اور صحیح توجیہہ یہی ہو سکتی ہے کہ غلبہ انوار توحید کی وجہ سے جب آثار بشریت مضمحل ہو کر عارف کی نظر سے ناپید ہو جاتے ہیں اور مقام مشاہدہ میں ماسوی اللہ سے بالکل تجرد حاصل ہو جاتا ہے تو بر طریق غائیت امتلذاذ اپنے اس تعلق کو ظاہر کرتے ہیں جو ان میں محبوب حقیقی کے ساتھ ہوتا ہے۔

منصور حلاج کے نعرۂ انا الحق کی تعبیر کا مندرجہ ذیل اقتباس مولانا جلال الدین رومی کے مجموعہ ملفوظات "فیہ مافیہ" سے ماخوذ ہے جس کی اہمیت کتاب کے دیباچہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے واضح ہے۔

ایں رسالہ گنجینۂ اسرار الٰہی است نوادر آثار نامتناہی است۔ مطلع انوار قدس است و منبع اسرار فردوس است۔ نتائج عالم حقائق است و جواہر معدن دقائق است منشائے اصول روحانی است۔ و مخزن کنوز ربانی است۔ مفتاح خزائن یقین و اعلام دقائق قلوب محققین است۔ انہار جنات غیب است و انوار آفتاب لاریب است۔ مرکز دائرۂ معانی است و مہبط کنوز سبع مثانی است از تالیف حضرت مولانا دہاد نیاالی اللہ تعالیٰ سلطان العلماء، قلب الاولیاء و تاج العرفا، منہاج الطالبین و دلیل الواصلین، حجتہ الحق والدین الاسلام المسلمین جلالتہ الملت والدین محمد بلخی المشتہر بہ مولانا رومی نور اللہ مرقدہ و قدس روضہ، وافاض انوار المعارفہ علی کافتہ المریدین والمعتقدین جمیع المسلمین وصلی اللہ علی محمد والہ اجمعین۔

فیہ مافیہ میں متقدمین صوفیہ کے تذکرے بکثرت آئے ہیں اور بعض مقامات پر ان کے اقوال و حوال کی دلچسپ شرح و توجیہہ بھی بیان کی گئی ہے اس سلسلہ میں سب سے زیادہ دلچسپ شرح منصور کے مشہور کلمہ انا الحق کی ہے۔

"استغراق کی یہ شرح کرنے کے بعد کہ اس کے معنی اپنی ہستی کے فنا اور بالکل فنا کر دینے کے ہیں اور مرتبہ کی فضیلت بیان کرنے کے بعد مولانا روم فرماتے ہیں۔

آخر ایں انا الحق گفتن منصور ہم ازیں معنی است۔ مردم پندارند کہ دعویٰ بزرگست۔ انا العبد گفتن دعوی منصور ہم ازیں معنی است۔ مردم پندارند کہ دعویٰ بزرگست۔ انا العبد گفتن دعوی بزرگیست، انا الحق عظیم تواضعست زیرا آنکہ می گوید کہ من عبد خدا ایم دو ہستی اثبات مے کند یکی خود را دیکی خدا را انا آنکہ انا الحق مے گوید خود را عدم کرد۔ ولوی گوید کہ انا الحق یعنی من نیستم ہمہ اوست جز خدا را ہستی نیست

من بکلی عدم محسم و ہیچم تواضع در یجا بیشتر است این است کہ مردم فہم نمی کنند۔

یعنی انا الحق کو لوگوں نے انانیت و خود بینی پر کیسے محمول کر لیا یہ تو انتہائی فروتنی تھی اس کا قائل تو اپنی خودی و ہستی کو سطعی نفی کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو حق میں شامل ہو گیا ہوں، میں خود تو کچھ رہ ہی نہیں گیا ہوں، انانیت اگر نکلتی ہے تو انا العبد سے نکلتی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہستی معبود کے علاوہ عبد خود اپنی ہستی کا بھی اثبات وادعا کر رہا ہے۔

"فیہ مافیہ" کے صفحہ ۸۰ پر مولانا روم نے کلمہ انا الحق کے ایک اور دقیق معنی بیان کئے ہیں، فرماتے ہیں!

"مستغرق آنست کہ آب دراو تصرف مے کند او را دز آب تصرفے نیست۔ سباح و مستغرق ہر دو در آب اند اما ایں را کہ آب مے برود محمولست و سباح حامل بقوت خویش است وبااختیار خود است پس ہر جنشے کہ مستغرق کند و ہر قولی و فعلی کہ ازو مصادر شوداں از آب باشد اور در میانہ بہانہ است، ہمچنانکہ از دیوار سخنی بشنوی دانی کہ از دیوار نیست، کسیت کہ دیوار اور گفت در آووہ است، اولیا ہمچناند کہ پیش از مرگ مردہ اند و حکم در دیوار گرفتہ در ایشاں یک سرموی از ہستی نماندہ است، درودست قدرت حق سپری اند، سپر را جنبش از خود نباشد و معنی انا الحق ایں بود، سپر می گوید من درمیان نیستم حرکت از دست حق است، ایں سپر را حق بیسند باحق پنجہ فریند کہ آنہا کہ بر چنیں کس زخم زوند۔ در حقیقت بحق جنگ کردہ اند و خود را بر خدا زدہ اند۔"

اسی لئے تو علامہ اقبالؒ نے منصور حلاج کے قتل کا فتویٰ دینے والوں کو کم نگاہ یعنی کم بصیرت کہا ہے یعنی ان کو حقیقت احوال کا علم نہیں تھا۔ انہوں نے صرف ظاہری الفاظ کو دیکھ کر فتویٰ دے دیا جو اتنے بڑے فتنہ کا باعث بنا۔ مطلب یہ ہے کہ اس میں منصور کا کوئی قصور نہیں تھا، فتنہ تو ان لوگوں نے غلط فتویٰ دے کر برپا

غلط استدلال کر کے پیدا کیا اور بلاوجہ ایک بندۂ خدا کو سولی پر چڑھا دیا۔ پھر اقبال منصور حلاج کی روح کو مخاطب کر کے پوچھتا ہے کہ تُو تو وحدۃ الوجود کے اسرار و رموز سے واقف تھا یہ بتا کہ تیرا کیا قصور تھا تجھ کو پھانسی کیوں دی گئی۔ فرماتے ہیں۔ ؎

بندۂ حق را بدار آ دیختند ۔۔۔ کم نگاہاں فتنہ با انگیختند
بازگو آخر گناہ تو چہ بود؟ ۔۔۔ آشکارا بر تو پنہاں وجود

اس کے علاوہ "فیہ مافیہ" کے صفحہ ۵۱ پر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے شرح و توجیہہ ایک بالکل نئے پیرایہ میں فرمائی ہے۔ وہ سب سے زیادہ دلچسپ اہل ذوق کے لئے ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ کسی بادشاہ نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ ایک مہمان عزیز آرہا ہے، ہر غلام اپنے ہاتھوں میں سونے کا ایک ایک گلاس لے کر کھڑا ہو جائے اس کے بعد جب بادشاہ سلامت بر آمد ہوئے تو جو غلام سب سے زیادہ مقرب و با اختصاص تھا وہ جمال شاہی سے ایسا بے خود و مست ہوا کہ گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گرا اور ٹوٹ گیا۔ یہ دیکھ کر اس کی تقلید میں دوسرے غلاموں نے بھی اپنے اپنے گلاس پھینک دیئے اور توڑ ڈالے۔ ان پر جب عتاب سلطانی نازل ہوا تو سبھوں نے عرض کیا کہ ہم نے اس غلام خاص کو دیکھ کر ایسا کیا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ اے بے وقوفو! وہ گلاس اس نے کب توڑا تھا وہ تو ہم ہی نے توڑ دیا تھا۔ وہ ہمیں دیکھ کر اپنے آپے میں رہا کب تھا، وہ اس گھڑی غلام تھا ہی نہیں جمال شاہی میں فنا ہو کر خود بادشاہ ہو گیا تھا۔ اس کا ظاہری تصور عین طاعت و کمال اطاعت تھا۔

لولاك لما خلقت الافلاك ہم انا الحق است، معنیش این است، کہ افلاک را برائے خود آفریدم ایں انا الحق است بزبانے دیگر و زمرے دیگر"۔

اور حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف مثنوی معنوی میں بھی منصور کے نعرہ، انا الحق کے متعلق فرماتے ہیں۔ ؎

چوں اناالحق شیخ د پیش برد — پس گلوئی جملہ کوران را فشرد
آن انا بی وقت گفتن لعنت ست — واین انا در وقت گفتن رحمت ست
آن انا منصور رحمت شد یقین — وںٰنِ انا فرعون لعنت شد بین
بود اناالحق در لب منصور نور — بود انا اللہ در لب فرعون زور
بلکہ وحدت گشت او را در وصال — شد خطاب او خطاب ذوالجلال
بعد از آن گوید حتم منصور دار — تاشود برادر شہرت او سوار
آنک اولی درد باشد رہزن ست — ژانک بی دردی اناالحق گفتست
آن منم خم خود اناالحق گفتست — رنگ آتش دار والا آ ہست
رنگ آہن محو رنگ آتش است — نہ آتشی می لافد و خامش وش است
چوں بہ سرخی گشت ہچو زر کان — پس انا النار ست لافش بی زبان
شد نہ رنگ و طبع آتش محتشم — گوید او من آتشم من آتشم
آتشم من گر ترا شک ست وطن — آزمون کن دست را در من بزن
چوں قلم در دست غداری بود — بی گمان منصور برداری بود
چوں سفیہان راست ایں کار و کیا — لازم آمد یقتلون الانبیاء
آتشم من گر تراشد مشتبہ — رومی خود بر روئی من یک دم بہند
مامست السقیم جیک جوعہ چو منصور — اندیشہ فتوائے سردار ندا ریم

مولانا فرماتے ہیں کہ خدا کی توحید کو سمجھنا اپنے آپ کو خدا کی واحدنیت میں فنا کرنا ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو خدا کی ذات میں فنا کر دیتا ہے وہ حقیقت کو پا لیتا ہے، باقی رہتا ہے اور جو اپنی ذات کو اس سے جدا رکھتا ہے فنا ہو جاتا ہے۔ منصور حلاجؒ خدا کا عاشق اور اس کے نور میں فنا ہو کر اپنی ہستی مٹانے والا تھا۔

آفتاب سلسلہ نقشبندیہ شیخ و مرشد امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ وامام الحقیقت والطریقت حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ نے منصور

کے نعرہ انا الحق کی جو توجیہہ بیان فرمائی ہے وہ ملاحظہ فرمائیے۔
معنی عبارت انا الحق نہ آن است کہ من حقم بلکہ آن است کہ من نیستم وجود حقست.
"مکتوب مجددی دفتر اول حصہ ۴ ص ۱۱ مطبوعہ امرتسر"۔

یعنی حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انا الحق کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں حق ہوں بلکہ مطلب یہ ہے کہ میں نیست و نابود ہوں، ہیچ ہوں، کچھ نہیں ہوں، عدم ہوں اور اصل وجود باری حق سبحانہ تعالیٰ کا ہے وہی واجب الوجود ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ مکتوبات شریف جلد اول صفحہ ۱۳۔ ۴۲ پر منصور حلاج کے کلمہ انا الحق کی تعبیر میں فرماتے ہیں، کہ انا الحق کے معنی یہ ہیں کہ حق ہے اور میں نہیں ہوں۔ چونکہ سالک جب اپنے آپ کو نہیں دیکھتا ہے تو اپنا اثبات نہیں کرتا یہ مطلب نہیں ہے کہ اپنے آپ کو دیکھا ہے اور اس کو حق کہتا ہے چونکہ یہ کفر ہے پس سالک کی نگاہ میں ایک ذات حق کے سوائے کچھ مشہود نہیں ہوتا۔

قطب دوراں حضرت سید احمد کبیر رفائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صوفیہ کی بعض باتوں کی تاویل کر لیا کرو گویا خدا کی مقرر کردہ حدود کے ذریعہ شبہات کو اپنے دل سے دور کر لیا کرو۔ فرمایا! اگر میں منصور حلاج کے زمانہ میں ہوتا اور جو الزام منصور پر لگایا گیا تھا وہ ثابت ہو جاتا تو فتویٰ دینے میں میں بھی انہیں لوگوں کے ساتھ ہوتا۔ جنہوں نے ان کے قتل کا فتویٰ دیا اور اگر ثابت نہ ہوتا تو میں کوئی ایسی تاویل کر لیتا کہ ان کی جان بچ جاتی اور میں اتنے ہی پر قناعت کرتا کہ انہوں نے توبہ کر کے خدا کی طرف رجوع کر لیا ہوگا کیونکہ رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

ایک بزرگ نے کلمات انا الحق اور سبحانی ما اعظم شانی کی کیسی عمدہ توجیہہ بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب سالک کو کمال فنا کے اندر ذات حق کے سوا کچھ

مشہود نہیں ہوتا تو کشف کی نظر سے جمال الٰہی سے مشرف ہوتا ہے اور دل کے کانوں سے اناالحق وغیرہ کی آوزیں سنتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر انی انا اللہ کی آواز سنی تھی تو عارف غلبہ حال اور مقام حیرت میں ایسا مست اور اپنی خوش قسمتی پر ایسا خوش ہوتا ہے کہ اس غیبی آواز کو بار بار اپنی زبان سے دہرانے لگتا ہے اور اناالحق یا سبحانی ما اعظم شانی کی رٹ لگاتا اور سر دھنتا ہے۔ لیکن جب عین الیقین کی حد سے گزر کر جو حیرت کا مقام ہے حق الیقین کے ساتھ ممتاز ہوتا ہے تو اس قسم کے ناہموار کلمات اس کی زبان سے سرزد نہیں ہوتے۔ ڈاکٹر اقبال کا شمار اگرچہ صوفیہ میں نہیں ہوتا لیکن فاضل اسلامیات اور مفکر اسلام کی حیثیت سے ان کا پایہ علم اور ان کا مقام منفرد ہے۔ وہ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ کے چوتھے خطبہ بعنوان خودی میں فرماتے ہیں کہ مشہور فرانسیسی مستشرق موسیو ماسینون (M.MOSSIGNON) نے کتاب الطواسین کے نام سے حلاج کی تحریروں کے جو اجزاء حال ہی میں شائع کئے ہیں ان سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس شہید صوفی نے اناالحق کہا تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اسے ذات باری کے ورا الوراء ہونے سے انکار تھا لہٰذا ہمیں اس کی تعبیر اس طرح کرنی چاہئے جیسے قطرہ دریا میں واصل ہو گیا۔" فقط

لیکن اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ توجیہ اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ سالک عالم سکر میں ہو اور مغلوب الحال ہو چونکہ شیخ اکبر فتوحات کے باب نمبر ۱۸۵ میں فرماتے ہیں کہ میزان شرع جو کہ دنیا میں موجود ہے وہی شریعت ہے جو علماء دین کے ہاتھ میں ہے۔ پس جب کبھی کوئی ولی شرع کی میزان مذکورہ سے عقل و سمجھ کے ہوتے ہوئے خارج ہو گا تو اس پر اعتراض ضرور ہو گا، اگر اس پر کوئی حال غالب ہو گا تو ہم اس کے حال کو اس کے لئے مسلم رکھیں گے اور اس پر اعتراض نہ کریں گے چونکہ اہل عقل میں کوئی ایسا

شخص نہیں جو اس کا اتباع کرے اور اعتراض اس مصلحت سے ہوتا ہے کہ اس کا کوئی اتباع نہ کرنے لگے۔ اور جب اتباع کا احتمال نہیں تو پھر اعتراض کی کوئی ضرورت نہیں۔

اور اگر وہ ایسے امر کو ظاہر کرے جو ظاہر شرع میں حد کے لئے موجب ہو اور وہ امر حاکم کے سامنے ثابت بھی ہو جائے تو اس پر حد قائم کی جائے گی اور ضرور ایسا کیا جائے گا اور اس پر حد قائم کرنے سے اس کا یہ دعویٰ مانع نہ ہوگا کہ میں مثل اہل بدر کے ہوں (جن کے لئے ارشاد ہوا تھا، **اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم**) چونکہ اہل بدر سے بھی مواخذہ دنیا میں ساقط نہیں ہوا صرف آخرت میں ان سے مواخذہ ساقط ہو گیا تھا اور وہ بھی نص سے اور اس مدعی کے پاس تو کوئی نص بھی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ اگر بندہ سے بالفرض یہ بھی کہہ دیا جائے کہ تو جو چاہے کر میں نے تیری مغفرت کر دی (جیسا کہ اہل بدر سے کہہ دیا گیا تھا) تب بھی وہ شریعت میں گنہگار ہے، چونکہ مغفرت تو گناہ کے بعد ہوتی ہے اور اس لئے اہل بدر سے **قد غفرت لکم** فرمایا گیا اور یوں نہیں کہا کہ میں نے تم سے حدود شرعیہ کو ساقط کر دیا۔

پس جو حاکم اس شخص پر حد مقرر اور تعزیر کو قائم کرے گا اس کو اجر ملے گا اور کبریت احمر میں حضرت شیخ اکبر سے اتنا اور زائد نقل کیا گیا ہے کہ حسین بن منصور حلاج کے ساتھ بعینہ یہی واقعہ ہوا کہ ان سے ایک امر ظاہر شرع کے خلاف ثابت ہوا اور عذر ثابت نہیں ہوا اس لئے حاکم نے تعزیر جاری کر دی۔

☆

باب ہشتم

منصور حلاج رح کے متعلق رویائے صادقہ

امام راغب اصفہانی نے اپنی کتاب محاضرات میں مندرجہ ذیل رویائے صادقہ کا ذکر کیا ہے جو تفسیر روح البیان جلد نمبر ۵ صفحہ ۴۷۳ تالیف حضرت اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ سے ماخوذ ہے۔

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ امام شاذلی رحمۃ اللہ علیہ صاحب حزب البحر نے فرمایا کہ میں مسجد اقصیٰ میں لیٹا ہوا تھا میں نے خواب میں دیکھا مسجد کے باہر عین وسط حرم میں ایک تخت لا کر رکھا گیا اور فوج در فوج خلق خدا وہاں آنی شروع ہو گئی میں نے ان میں سے ایک سے پوچھا کہ یہ اجتماع کن لوگوں کا اور کس لئے ہے تو انہوں نے جواب دیا تمام انبیاء اور رُسل علیہم الصلوٰۃ والسلام جمع ہوئے ہیں تاکہ سرور کائنات ﷺ کی بارگاہ میں حسین بن منصور حلاج کی شفاعت کریں کہ اس سے جو خطا ہوئی ہے وہ معاف فرمادی جائے۔ پس جب میں نے تخت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو سیّد الانبیاء ﷺ کو تن تنہا تخت پر بیٹھے پایا اور تمام انبیاء و رسل علیہم السلام آپ ﷺ کے روبرو زمین پر رونق افروز تھے۔ تو میں ان حضرات کو دیکھنے اور ان کا کلام سننے لگا۔

حضرت سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ السلام سیّد انبیاء ﷺ سے مخاطب ہوئے۔ ”آپ نے فرمایا ہے کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں، تو آپ اپنی امت کا ایک عالم تو بتائیں۔ سیّد الانبیاء ﷺ نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو فخریہ طور پر پیش فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ امام صاحب نے ایک سوال کے دس جواب دیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کیا کہ جواب وہی ہونا چاہیے جو سوال کے مطابق ہو، لیکن تم نے سوال ایک اور جواب دس دیئے ہیں۔ اس پر امام غزالیؒ نے کہا کہ اے اللہ کے نبی یہ اعتراض آپ پر بھی وارد ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ سے پوچھا کہ **ماتلك بيمينك يا موسىٰ؟** تو آپ نے بھی ایک سوال کے بہت سے جواب دیے تھے۔

امام شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے نبی ﷺ کی جلالت شان کے متعلق غور و فکر میں تھا کہ آپ تنہا تخت پر رونق افروز ہیں اور ابراہیم خلیل اللہ موسیٰ کلیم اللہ عیسیٰ روح اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام جیسے جلیل القدر انبیاء سب کے سب زمین پر بیٹھے ہوئے ہیں کہ اچانک کسی نے مجھے پیر کی ٹھوکر سے آجگایا۔ جب میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو جگانے والا وہ شخص تھا جو مسجد اقصیٰ میں روشنی کا منتظم تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ انبیاء علیہم السلام کے زمین پر بیٹھنے سے آپ کیوں تعجب کرتے ہیں۔ یہ سب کے سب آپ ﷺ ہی کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ سنتے ہی مجھ پر غشی طاری ہو گئی۔ جب فجر کی نماز کی اقامت کہی گئی تو مجھے افاقہ ہوا۔ میں نے اس جگانے والے شخص کو ہر چند تلاش کیا لیکن مجھے نہ ملنا تھا نہ ملا۔

(تفسیر روح البیان جلد ۵ صفحہ ۲۷۴)

حضرت ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ایک بار منصور حلاج کو خواب میں دیکھا، میں نے ان سے دریافت کیا، کیسے آپ کی خدا کے ساتھ کیسے بنی۔ آپ نے جواب دیا کہ مجھے صدق کے محل میں اتارا اور نوازش فرمائی۔ میں نے پوچھا ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا یعنی آپ کے مخالفوں کے ساتھ۔ آپ نے فرمایا دونوں جماعتوں پر رحمت فرمائی۔ آپ کی جماعت پر تو اس لئے رحمت فرمائی کہ انہوں نے مجھے جانا اور مجھ پر مہربانی فرمائی کہ انہوں نے مجھ

کو نہ جانا اور حق کے واسطے مجھ سے عداوت کی، پس ہر دو جماعت کے لوگ معذور تھے اس لئے قابل رحمت قرار پائے۔

حضرت شبلیؒ نے فرمایا کہ جب منصور کو دار پر چڑھایا تو میں نے دیکھا کہ ابلیس آپ کے سامنے آیا اور کہا، اے شیخ آپ نے انا الحق کہا اور میں نے انا خیر کہا، آپ پر رحمت کی اور مجھ پر لعنت۔ اس کا کیا سبب ہے ؟

آپ نے فرمایا، تُو نے انا اپنے ہی واسطے اور اپنی خودی کے اظہار کے لئے کہا اور میں نے اپنی خودی کو دور کیا۔ یہی فرق ہے کہ مجھ پر رحمت فرمائی اور تجھ پر لعنت، اس میں یہی نکتہ ہے۔

پس جاننا چاہئے کہ انانیت اور خودی خوب نہیں اور خودی کو اپنے سے دور کرنا چاہئے۔

"صفات الصفوۃ" میں ہے کہ بعض اہل کشف نے ان کی قبر کی زیارت کی تو ان کی قبر سے ایک روشن چمکدار نور آسمان کی طرف جاتا ہوا نظر آیا تو کہا کہ اے رب، حلاج کے قول انا الحق اور فرعون کے قول انا ربکم الاعلی میں کیا فرق ہے، تو الہام ہوا کہ فرعون اپنے نفس کے لئے کہتا تھا اور وہ ہم کو بھلا بیٹھا تھا اور حلاج ہم کو دیکھتا تھا اور وہ اپنے نفس کو بھولے ہوا تھا۔

☆

جن کو منصورؒ وار سزا دی گئی

- ☆ سرمد شہید رحمۃ اللہ علیہ
- ☆ شہاب الدین مقتول رحمۃ اللہ علیہ
- ☆ عین القضاۃ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

باب نہم

وہ ہستیاں جن کو منصورؒ وار سزا دی گئی

حضرت سرمد شہید رحمۃ اللہ علیہ

سرمد شہید اس بر صغیر پاک و ہند کے ان عاشقان پاک طینت میں سے ہیں جو فلسفہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا عملاً اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور ان عالی مرتبت اور اولو العزم ہستیوں میں سے ہیں جن کے پائے استقلال کو علماء کی تکفیر، شاہی رعب و جلال اور ظلم واستبداد لغزش نہ دے سکے اور جو منصور وار جام شہادت نوش کرتے ہوئے آنے والی نسلوں کو عزم راسخ، جرات و ہمت اور صبر و ثبات کا لازوال درس دے کر ابدی اور لافانی زندگی کے نہ مٹنے والے نقوش چھوڑ گئیں۔

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

سرمد کے حالات زندگی کی تفصیل تاریخ میں خال خال ملتی ہے۔ خود مولانا ابو الکلام آزاد جیسا جیدّ اور متبحر عالم اس بات کا شاکی ہے۔ سرمد شہید کے متعلق اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں۔ "میں نے عہد عالمگیری اور اس کے بعد کے تمام تاریخی تذکروں کا مطالعہ کیا اور اس کے بعد شاہ عالم کے زمانہ میں نواب عنایت اللہ کی نگرانی میں جو مستعد خاں نے "مآثر عالمگیری" کے نام سے تاریخ لکھی ہے اس کی بھی ورق گردانی کی۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ سیاسی مصلحتوں کی بناء پر ان تمام تاریخوں اور تذکروں میں پوری مستعدی کے ساتھ

تاریخ کے صفحات کو بچایا گیا ہے کہ اس شہید عشق کے جامہ خونچکاں کے قطرہ افشانی سے حاشیہ پر کہیں دھبے نہ پڑ جائیں۔

اس کے علاوہ خافی خان کی منتخب اللباب جو عہد مغلیہ کی مشہور ترین تاریخ ہے دیکھی، لیکن ایک ہزار صفحات کی کتاب میں ایک حرف بھی سرمد کے متعلق ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ دو معتبر کتابیں میرے پیش نظر ہیں (۱) شیر خان لودھی کی مراۃ الخیال جو عہد عالمگیری کا بلاواسطہ مورخ اور تذکرہ نویس ہے۔ دوسری کتاب خافی خان داغستانی کا مرتب کردہ شعرائے فارسی کا تذکرہ "ریاض الشعراء" جو امرائے عہد محمد شاہی سے ہے اور صرف ایک واسطہ سے عہد قریب کا مورخ ہے اور ڈوگرہ عہد محمد شاہی میں لکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ عہد عالمگیر ثانی کا لکھا ہوا سراج الدین سراج کا ایک قلمی بیاض کا نسخہ جو ایشاٹک سوسائٹی میں ملا۔ نیز تمام دیگر تذکروں سے میرے اپنے ذہن میں جو کچھ معلومات تھیں ان سب سے اخذ کر کے یہ تیار کیا۔ جس کے متعلق مولانا فرماتے ہیں "غرضیکہ گلدستہ تو بنا مگر چند پتوں اور پنکھڑیوں کو دامن میں لے لیا ہے کہ مشہد سرمد میں جاؤں تو خالی ہاتھ کیا جاؤں۔"

مولانا آزاد مرحوم کے تبحر علمی اور تاریخ اسلام پر وسعت نظری کے تحت ظاہر ہے کہ مولانا نے جو حالات ترتیب دیئے ہیں ان سے زیادہ معتبر اور بہتر حالات کا ملنا ناممکن ہے۔ لہٰذا یہی مضمون میرا ماخذ ہے۔

شیر خاں لودھی نے مراۃ الخیال میں لکھا ہے کہ سرمد ارمنی تھا اور فرنگی نسل سے تعلق رکھتا تھا اور بقول علی قلی خاں داغستانی۔ صاحب ریاض الشعراء سرمد یہودی نسل سے تھا اور کاشان کا رہنے والا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ سرمد ایوان کے کسی ارمنی خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور مذہباً عیسائی یا یہودی تھا۔ قبول اسلام سے

پہلے اس کا اصل نام کسی بھی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ملتا۔

آغاز عمر ہی میں فیضان الٰہی کی نظر انتخاب سرمد پر پڑی اور جذب ہدایت کی کشش نے مشرف بااسلام کیا۔ سرمد کا اصلی اسلامی نام سعید اور تخلص سرؔمد تھا۔ تحصیل علمی کا حال معلوم نہیں لیکن تذکرہ نگاروں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ علم و فضل اور عربی دانی میں درجہ کمال رکھتا تھا۔ جب سرمد کی نگاہ حق بیں کو حسن حقیقی نہاں نظر آنے لگا تو وہ اسے اپنی چشم بینا سے عیاں دیکھنے کے لئے صحرا بہ صحرا سندھ کے ریگستانوں کی خاک چھانتا پھرا۔ وہ حق کی جستجو میں مجنوں بن گیا۔ اس نے اپنے جسم پر سے ظاہر داری کا دامن چاک کر دیا۔ لوگ اسے پاگل یا مست درویش کہنے لگے۔

اب وہ جنگل جنگل اور دشت بدشت اپنے محبوب حقیقی کو تلاش کرتا۔ جب باد صبا چلتی تو اسے اس میں محبوب حقیقی کی بو آتی۔ اس کا جی چاہتا کہ وہ خوشبو کو سونگھتا ہی رہے۔ جب گلاب کے پھول کو دیکھتا تو اس کو روئے یار نظر آتا۔ ادھر ادھر مارا مارا پھرتا مگر کچھ پتہ نہ چلتا۔ آخر ایک روز اسے اپنے محبوب حقیقی کا راستہ مل ہی گیا جس کا اظہار اس نے اپنی مندرجہ ذیل رباعی میں اس طرح کیا ہے۔

از باد صبا خواست دلم بوئے ترا چشم ز چمن جست گل روئی ترا
آخر نہ ازیں دو چار گشتی نہ ازاں لندیشہ نشاں دلوہ رہ کوئی ترا

سرمد کا پیشہ تجارت تھا۔ اس زمانہ میں ایرانی سیاح عموماً سندھ ہو کر ہندوستان آتے تھے۔ سندھ کے شہروں میں ٹھٹھہ ایک مشہور شہر تھا۔ یہی ٹھٹھہ وہ سینائے مقدس تھا جو سرمد کے لئے تجلی گاہ ایمن بنا اور جس جگہ لیلائے حسن نے اول اول اپنے چہرے سے نقاب اٹھائی۔

کہتے ہیں کہ ایک ہندو لڑکا تھا جس کی چشم کافر نے یہ افسوں طرازی کی یعنی سرمد ایک ہندو لڑکے کی چشم مست پر فدا ہو گیا اس واقعہ کی دلیل بھی اس کی

مندرجہ ذیل رباعی سے ملتی ہے۔

سرمد در دین عجب شکستی کردی　　　ایماں بہ فدائے چشم مستی کردی
باعجز و نیاز جملہ نقد خود را　　　رفتی و نثارت پرسی کردی

ارباب تذکرہ اس بات پر بھی متفق نہیں کہ یہ واقعہ کس مقام پر ہوا۔ داغستانی روایت کے مطابق وہ مقام بندرگاہ سورت تھا اور آزاد بلگرامی نے اپنے کسی تذکرہ میں عظیم آباد پٹنہ لکھا ہے۔ لیکن علی قلی خان نے مراۃ الخیال، میں تحریر کیا ہے "دراثنائے سورت شہرتہ افتاد بر ہندو پسر عاشق گشت" یعنی ٹھٹھہ کے مقام پر سرمد ایک سوختہ لڑکے پر عاشق ہو گیا۔ بہر کیف تجلی کہیں گری ہو دیکھنا یہ ہے کہ دہقان کے خرمن کا کیا حال ہوا۔

سرمد نے بھی مدتوں صحرا کی خاک چھانی۔ سندھ کے ریگزاروں سے تلوے گرم کیے اور ہندوستان کے گرم و سرد موسموں کو یکساں عریانی میں کاٹ دیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ عنقریب بساط ہند پر عالمگیر ایک نئی چال چلنے والا تھا۔ شاہجہانی حکومت کا عہد آخری اور شہزادہ داراشکوہ ولی عہد سلطنت تھا۔

سلسلہ مغلیہ میں داراشکوہ ایک عجیب طبیعت اور دماغ کا شخص گزرا ہے۔ وہ ابتدا ہی سے درویش دوست اور صوفیانہ دل و دماغ کا مالک تھا۔ فقراء اور صوفیہ سے محبت کرتا تھا۔

سرمد جوش جنوں میں پھرتا ہوا جب شاہجہاں آباد (دہلی) پہنچا تو قضاء نے اشارہ کیا کہ قدم روک لئے جائیں چونکہ جس جام کی تلاش ہے وہ اس مے خانہ میں ملے گا۔ مصنف مراۃ الخیال لکھتا ہے کہ چوں خاطر سلطان داراشکوہ جانب مجامین میل داشت صحبت بوئے گرفت۔ غرض کہ سرمد داراشکوہ کی صحبت میں رہنے لگا اور اسے بھی سرمد سے کمال عقیدت تھی۔

بالآخر شاہجہاں کی علالت اور داراشکوہ کی نیابت نے عالمگیری ارادوں

کے ظہور کا سامان کر دیا اور ایک عرصہ کی یورش اور خونریزی کے بعد سمہ میں عالمگیر سریر آرائے حکومت ہوا۔ یہ زمانہ دارا شکوہ کے ساتھیوں اور ہم نشینوں کے لئے خود دارا شکوہ سے کم مصیبت انگیز نہ تھا۔ بہت سے لوگ تو دارا شکوہ کے ساتھ نکل گئے اور جو رہ گئے انہوں نے اپنے کو کشتی خرفاں میں پایا۔ لیکن اس رہین بے خبری کو اپنے استغراق میں اس بات کی فرصت کہاں ملتی تھی کہ آنکھ اٹھا کر دیکھے اور اگر دیکھتا بھی تو وہاں سے کیونکر ہوتا۔

سرمدؒ کی شہادت

تذکرہ الخیال میں ہے کہ سرمد کی اس رباعی پر جبہ پوشان شرع کے کان کھڑے ہوئے اور انہوں نے اسے کفر قرار دیا کہ معراج جسمانی سے انکار لازم آتا ہے۔

ہر کس کہ سر حقیقتش پا در شد — اوپہن تر از سپہر پہنا در شد
ملا گوید کہ بر فلک شد احمد — سرمد گوید کہ فلک بہ احمد در شد

ترجمہ: جس کسی کے پاؤں حقیقت کے راز سے بندھ گئے اس کی وسعت یا جولانگاہ آسمانوں سے بھی زیادہ وسیع تر ہو گئی (ظاہر میں) ملا کا کہنا یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ آسماں پر چل کر گئے (جاننے والے) سرمد کا موقف یہ ہے کہ خود آسماں حضور ﷺ کے قدموں میں آیا۔

لیکن اصل بات یہ ہے کہ عالمگیر کی نظروں میں تو سب سے بڑا جرم دارالشکوہ کی معیت تھی اور وہ کسی نہ کسی بہانے اس کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ ایشیاء میں ہمیشہ پالیٹکس مذہب کی آڑ میں رہا ہے اور ہزاروں خونریزیاں جو پولیٹیکل اسباب سے ہوئی ہیں انہیں مذہب کی چادر اوڑھا کر چھپایا گیا ہے۔

جب اور کوئی بہانہ نہ ملا تو عریانی اور برہنگی کو کہ خلاف رسم شرع ہے

بہانہ قرار دیا اور مذکورہ بالا رباعی سے یہ نتیجہ نکالا کہ معراج جسمانی کا منکر ہے۔

مُلا توی اس زمانہ میں قاضی القضاۃ تھے۔ عالمگیر نے انہیں سرمد کے پاس بھیجا کہ برہنگی کی وجہ دریافت کریں۔ ملا صاحب نے کہا کہ باوجود علم و کمال و فضل برہنہ و مکشوف العورہ رہنا کس عذر پر مبنی ہے۔ سرمد نے کہا کیا کروں شیطان قوی ہے۔ اور فی البدیہہ یہ رباعی پڑھی ؂

خوش بالائے کردہ چنیں پست مرا — چشمے بدو جام بردہ از دست مرا
او در بغل من است و من در علیش — دزدے عجبے برہنہ کرد است مرا

ملا صاحب برہم ہوئے اور برہم ہونے کی بات ہی تھی چونکہ اسلام کی توہین نہیں کی گئی۔ مگر خود ان کے وجود اسلام کی سخت اہانت ہوئی یعنی ان کا اسم سامی ابلیس لعین کا وصف قرار پایا۔ بہر حال انہوں نے عالمگیر سے آکر کہا کہ کفر کا کافی مواد ہاتھ آگیا ہے۔ اور قلمدان کھولنا چاہا کہ علمائے ظاہر کی تیغ خوں آشام اسی نیام میں رہتی ہے۔ لیکن عالمگیر کی عاقبت اندیشوں نے صرف اسی بہانہ کو کافی نہ سمجھا، وہ خوب سمجھتا تھا کہ سرمد کوئی معمولی شخص نہ تھا کہ جس کا قتل ایک عامتہ الورود واقعہ سمجھا جائے گا۔ علم و فضل کے لحاظ سے کوئی اس کا ہمتا نہیں ہے اور رجوع خلائق کا یہ حال ہے کہ سارا شاہجہاں آباد اس کا معتقد اور ہوا خواہ ہے۔ اس لئے جب تک کوئی بہانہ کافی ہاتھ نہ آئے اس ارادے کو ملتوی رکھنا چاہیئے۔

بالآخر یہ قرار پایا کہ سرمد کو علماء و فضلاء کے مجمع میں طلب کیا جائے اور تمام علماء کی جو رائے ہو اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ چنانچہ مجلس منعقد ہوئی اور سرمد کو بلایا گیا۔ سب سے پہلے خود عالمگیر مخاطب ہوا اور پوچھا۔ لوگ کہتے ہیں سرمد نے دارا شکوہ کو مژدہ سلطنت دیا تھا، کیا یہ سچ ہے؟ سرمد نے کہا۔ ہاں، اور وہ مژدہ درست نکلا کہ اسے ابدی سلطنت کی تاج پوشی نصیب ہوئی۔ عمامہ بندوں نے کہا کہ برہنگی شرع کے خلاف ہے اور اس کے لئے صاحب عقل و تمیز کا کوئی

عذر مسموع نہیں۔ اس کا جواب تو سرمد پہلے ہی دے چکا تھا۔

دزدے عجے برہنہ کردہ است مرا

جب مجمع علماء میں سرمد سے لباس پہننے کو کہا گیا اور مسموع نہ ہوا تو بادشاہ نے علماء سے کہا کہ محض برہنگی وجہ قتل نہیں ہو سکتی۔ اس سے کہا جائے کہ کلمہ طیبہ پڑھے چونکہ بادشاہ سن چکا تھا کہ سرمد کی عادات عجیبہ میں سے ایک یہ عادت بھی ہے کہ کلمہ طیبہ جب پڑھتا ہے تو الہ سے زیادہ نہیں کہتا۔ علماء نے سرمد سے کلمہ پڑھنے کو کہا تو اپنی عادت کے بموجب لا الہ پڑھا کہ جملہ نفی ہے، اس پر علماء نے شور مچایا تو کہا، ابھی تک میں نفی میں مستغرق ہوں مرتبہ اثبات تک نہیں پہنچا۔ اگر الا اللہ کہوں گا تو جھوٹ ہو گا اور جو دل میں نہ ہو وہ زبان سے کیسے ادا ہو۔ علماء نے کہا ایسا کہنا کفر صریح ہے۔ اگر توبہ نہ کرے تو مستحق قتل ہے۔

یہ ظاہر پرست نہیں جانتے تھے کہ سرمد اس سے بہت اونچا ہے کہ کفر و ایمان کی بحثیں سنائی جائیں۔ اور وہ قتل و خون کے احکام سے مرعوب ہو۔ کفر ساز تو اپنے مدرسہ و مسجد کے صحن میں کھڑے ہو کر سوچتے تھے کہ اس کی کرسی کتنی اونچی ہے اور وہ منارہ عرش پر تھا جہاں دیوار کعبہ و مندر بالمقابل نظر آتے ہیں۔ اور جہاں کفر ایمان کے علم ایک ساتھ لہراتے ہیں۔

جب سرمد نے توبہ نہ کی تو علماء نے بلا تامل فتویٰ قتل صادر کیا اور دوسرے دن قتل گاہ میں لے گئے۔ یہ واقعہ ۱۰۷۰ھ میں ہوا جب کہ عالمگیر کی تخت نشینی کو ایک سال سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ جب سرمد کو شہادت گاہ کی طرف لے جانے لگے تو تمام شہر ٹوٹ پڑا اور اس قدر ہجوم تھا کہ راستہ چلنا دشوار ہو گیا تھا۔

جب جلاد تلوار چمکاتا ہوا آگے بڑھا تو مسکرا کر نظر ملائی اور کہا۔ "فدائے توشدم بیابیا کہ تو بہر صورتے کہ مے آئی ترا خوب مے شناسم۔

ترجمہ: میں ترے قربان جاؤں آجا بس آبھی جا خواہ تو کسی بھی شکل میں

جلوے سے کسی بھیس میں بھی آئے میں تجھے ہر رنگ میں پہچانتا ہوں آزما کر تو دیکھ۔

صاحب مراۃ الخیال راوی ہے کہ اس جملہ کے بعد یہ شعر پڑھا اور مردانہ وار تلوار کے نیچے سر رکھ کر جان دے دی۔

شورے شدد از خواب عدم چشم کشودیم
دیدم کہ باقیست شب فتنہ غنودیم

ترجمہ: ایک شور جو اٹھا تو ہم نے ہمیشگی کی نیند سے ایک آنکھ اور وہ بھی آدھی سے کم کھول کر دیکھا اور صرف اتنا دکھائی دیا کہ فتنے بھری رات ابھی باقی ہے۔ لہٰذا ہم پھر سو گئے۔

والہ داغستانی کی روایت کے مطابق "درجنب مسجد جامع گردن اور ازدمدو درہماں جاں دفن کردند یعنی جامع مسجد کے گردو نواح میں اس کی گردن ماری گئی۔ (سرمد کو شہید کیا گیا) اور اسی جگہ ان کو دفن کیا گیا۔

آج بھی مشہد سرمد زیارت گاہ عوام و خواص ہے اور ہمیشہ فاتحہ کے ہاتھ اس کے آگے روبا آسمان رہتے ہیں۔

بر سر تربت من چوں گزری ہمت خواہ
کہ زیارت گہ رندان جہاں خواہد بود

خلیفہ ابراہیم بدخشانی راوی ہیں کہ سرمد نے زندگی میں کلمہ طیبہ لاالہ سے زیادہ نہیں پڑھا مگر جب شہادت ہوئی تو لوگوں نے سنا کہ سر کشتہ سے تین بار لاالہ الا اللہ کی صدا بلند ہوئی اور اس کے علاوہ والہ داغستانی لکھتے ہیں کہ ایک ثقہ جماعت سے سنا گیا کہ سرمد کا سر مقتول کلمہ طیبہ پڑھتا رہا اور اتنا ہی نہیں بلکہ کچھ دیر مصروف حمد الٰہی بھی رہا۔

نمونہ کلام از رباعیات سرمد

از جرم فزوں یافتہ ام فضل ترا | ایں شد سبب معصیت بیش مرا
ہر چند کرم بیش گنہ بیشتر است | دیدم ہمہ جاؤ آزمودم ہمہ را

ترجمہ منظوم

ہر جرم سے پایا ہے افضل ترا | باعث یہ فزوئی معاصی کا ہوا
افزوں ہیں اگر گنہ کرم افزاوں ترا | دیکھا ہر طرح خوب سب کو جانچا

☆

شادی بود، از دین و نیا ہمہ ترا | از ہر دو نجات دہ، کہ شایست مرا
آشفتہ خود بکن کہ آنم ہوس است | از پردہ بروں آئی و، خود راہنما

ترجمہ منظوم

ہے سب کی خوشی حصول دین و دنیا | دونوں سے نجات دے یہ ارماں ہے مرا
اپنا ہی بنالے مجھے حسرت یہ ہے | پردہ سے نکل کر اپنا جلوہ دکھلا

☆

سرمد در دین عجب شکستے کردی
ایمان بہ فدائے چشم مستے کردی

☆

عمر یکہ سے کہ آیات وا حادیث گذشت
رفتی و نثار بت پرستے کردی

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین مقتول سہروردیؒ

آپ کا اسم گرامی عمر بن یحییٰ بن حبش بن امیرک، کنیت ابو الفتح، لقب شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ ہے اور شہاب الدین کے نام سے مشہور ہیں۔

علم و حکمت اور فقہ کی تعلیم آپ نے امام فخر الدین رازیؒ کے استاد حضرت شیخ محی الدین جیلیؒ سے حاصل کی اور انہی کے فیضان صحبت سے علم و عمل کے ان اعلیٰ مدارج پر فائز ہوئے۔

شیخ شہاب الدینؒ مقتول اپنی وقت کے امام، علوم حکمیہ کے جامع اور اصول فقہ کے ماہر اور یگانہ روزگار تھے۔

آپ کی مایہ ناز اور مشہور ترین تصنیف کلمۃ الاشراق ہے۔ علامہ قطب الدین رازی اس تصنیف کے متعلق فرماتے ہیں۔ "یہ ایسی کتاب ہے جس کی ہر سطر نور کے قلم سے حور کے رخسار پر لکھی جائے اور اس کے معانی عقل کے قلم سے دل کی لوح پر نقش کیے جائیں۔ اس کتاب کا مطالعہ گویا حقائق و معارف کے باغ کی سیر ہے جس کے خوش رنگ و خوشبودار پھول دل و دماغ کو معطر کرتے اور بصیرت و بصارت کو نور و سرور بخشتے ہیں"۔

حکمت الاشراق کے علاوہ حضرت شیخ کی تصانیف بکثرت ہیں جن میں اصول فقہ میں تنقیحات، علم منطق میں کتاب مطارحات، تلویحات اور رسالہ ہیاکل شامل ہیں۔ رسالہ ہیاکل علم منطق میں نہایت اعلیٰ درجہ کی تصنیف ہے۔

شارح کلمۃ الاشراق مولانا حافظ سید یٰسین علی نظامی دہلوی فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ شہاب الدین مقتول کی اشراق سے متعلق ایک مختصر تصنیف مسمی "الواح" میرے پاس موجود ہے۔ اس کے مضامین کی خوبی اور طرز تحریر کی عمدگی تعریف کی محتاج نہیں ہے۔ اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہر بات کی

دلیل میں قرآن شریف کی دو دو آیتیں مثال کے طور پر تحریر کی ہیں اور آیات قرآنی کے علاوہ کوئی دوسری مثال پیش نہیں کی۔

بعض حضرات کا قول ہے کہ شیخ موصوف علم سیمیا میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ شیخ اپنے چند شاگردوں کے ہمراہ دمشق سے باہر سیر کو گئے۔ جب قابون نامی ایک گاؤں پہنچے تو بکریوں کا ایک گلہ آتا ہوا دیکھا تو شاگردوں نے عرض کیا کہ دل چاہتا ہے کہ اس گلہ میں سے ایک بکری خرید کر اس کو ذبح کر کے اور کباب بنا کر کھائیں۔ شیخ نے فرمایا میرے پاس دس درم ہیں یہ لے جاؤ اور بکری خرید لو۔ شاگرد وہ درہم لے گئے اور بکری خرید کر شیخ کے پاس آ گئے۔

بکریوں کے مالک کا دوسرا ساتھی یہ کہتا ہوا آیا کہ صاحبو! یہ بکری زیادہ قیمتی ہے یہ واپس کر دو اور دوسری لے لو۔ شیخ نے شاگردوں سے کہا کہ تم بکری لے جاؤ میں اس سے نمٹ لوں گا۔ شیخ اس شخص سے باتیں کرتے ہوئے چلے اور مختلف حیلوں اور تدبیروں سے اس کو سمجھایا، مگر وہ نہ مانا۔ آخر غصے میں آ کر اس نے شیخ کا ہاتھ پکڑ لیا، شیخ نے اپنے ہاتھ کو جھٹکا دیا تو شیخ کا ہاتھ مونڈھے کے پاس سے اکھڑ کر اس کے ہاتھ میں رہ گیا اور خون ٹپکنے لگا۔ ریوڑ والے نے یہ عجیب وغریب واقعہ دیکھا تو وہ شیخ کا ہاتھ پھینک کر ڈر کے مارے ایسا بھاگا کہ مڑ کر نہ دیکھا۔

شیخ نے اپنا وہ دست شکستہ زمین پر سے اٹھا لیا تو وہ شیخ کا رومال تھا۔ اس کو جھاڑ کر کندھے پر ڈال لیا اور اپنے شاگردوں کے پاس آ گئے۔ شیخ موصوف سے اس قسم کی حکایات بکثرت منقول ہیں۔

اقوال و فرمودات:

آپ کا قول ہے کہ صورت قدسیہ میں فکر کرنے سے راحت کا طالب

لطف حاصل کرتا ہے۔ نواحی قدس وہ مکان ہے جس میں جاہلوں کا گزر ممکن نہیں۔ ظلماتی جسموں پر ملکوں کی سیر حرام ہے تم کو اس وقت خدا کی توحید کرنی چاہئے جب کہ اس کی محبت و توصیف سے تمہارا دل لبریز ہو۔ تمام موجودہ چیزوں کی آلائش سے دل کو پاک کر کے اس کا ذکر کیا کرو۔ اگر عالم کے اندر دو آفتاب ہوتے تو عالم کے ارکان مٹ جاتے اور انتظام جیسا کہ اب ہے ہرگز نہ ہوتا۔

شیخ سیف الدین احمد آمدی بیان کرتے ہیں کہ میں حلب میں ایک روز حضرت شیخ سے ملاقات کے لئے گیا تو شیخ نے فرمایا کہ میں عنقریب تمام دنیا کا بادشاہ ہونے والا ہوں۔ میں نے دریافت کیا آپ کو یہ کس طرح معلوم ہوا۔ فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے جیسے میں سمندر کا پانی پی گیا ہوں۔ میں نے عرض کیا اس خواب سے تو شاید علم مراد ہو مگر شیخ کے ذہن میں جو بات سما گئی وہ دور نہ ہوئی۔

داستان قتل

شیخ موصوف شافعی المسلک تھے جب ان کی طرف رجوع خلائق بکثرت ہوا تو بعض علماء ان سے حسد کرنے لگے اور ان پر تہمت لگائی کہ وہ حلولی اور تعطیلی عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور حکمائے پیشیں کے ہم خیال ہیں۔ شیخ حمید کے دونوں بیٹے مجد الدین اور شیخ زین الدین اس کام میں زیادہ پیش پیش تھے۔ انہوں نے حلب کے علماء سے کہہ سن کر قتل کا فتویٰ لکھوایا پھر سلطان صلاح الدین کے بیٹے ملک ظاہر سے جو اس وقت حلب کا حاکم تھا شیخ کے قتل کرنے کا حکم حاصل کیا۔ چنانچہ ۵ رجب ۵۸۰ھ کو حضرت شیخ کا گلا گھونٹ کر شہید کیا گیا۔ ابن جوزی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ اس وقت حضرت شیخ کی عمر ۳۸ سال کی تھی۔ جب حضرت شیخ کو اپنے قتل کے ارادے کی خبر پہنچی تو وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

ارى قدمى اراق دمى

دعان دمى هنا قدمى

مشهور ہے کہ حضرت شیخ کی شہادت کے بعد کافی عرصہ کے بعد جب ملک ظاہر کی نظر سے آپ کی کچھ تصنیفات گزریں اور اس کو حقیقت حال سے آگاہی ہوئی تو آپ کی شہادت کا از حد رنج ہوا اور اپنے کیئے پر بہت پچھتایا۔

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ شیخ موصوف کے واقعہ قتل کے بعد میں تحصیل علم کے لیے بڑے عرصہ تک شہر حلب میں مقیم رہا تو میں نے وہاں کے بعض لوگوں کو شیخ کو زندیق و کافر کہتے سنا اور بعض لوگوں کو آپ کا معتقد اور مداح دیکھا جو آپ کو اولیاء اللہ اور اہل کرامات میں سے بیان کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے شیخ کی شہادت کے بعد ایسے واقعات دیکھے ہیں جن سے ہمارے خیال کی پوری تصدیق ہو گئی ہے۔

قاضی بہاؤ الدین معروف بہ ابن شداد نے اپنی کتاب سیرت صلاح الدین میں حضرت شیخ کے عقائد کی بہت تعریف لکھی ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت شیخ دینیات کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔

☆

نمونہ کلام

شیخ نے ایک قصیدہ روح کے بیان میں لکھا ہے اس کے دو شعر بطور نمونہ کے پیش کیے جا رہے ہیں۔

ابدا تحن اليكم الارواح — ووصالكم ريحانها والراح

وقلوب اهل ودادكم تشتاقكم — والى لذيذ لقائكم ترتاح

شہاب الدین مقتول کے متعلق مندرجہ ذیل عبارت کا ماخذ حضرت شیخ

عبد الحق محدث و محقق دہلویؒ کی تصنیف "مرج البحرین" ہے جس کے وصال دوم بعنوان "اختلافات امت اور فلسفہ یونان" میں شیخ محقق فرماتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد کے زمانے میں امت محمدیہ میں اختلافات رونما ہونے لگے۔ شر اور فساد کے جذبات ابھرنے لگے۔ اور ہر مسئلہ میں جرح و قدح کا دروازہ کھلنے لگا۔ انوار سنت مصطفوی ﷺ سے محروم ہونے لگی۔ بدعات و ظلمات مدح اسلامی دنیا پر چھانے لگیں۔ اتحاد فکر کی ہوا اکھڑنے لگی اور دوسرے مذاہب اور یونانی فلسفے دلوں میں اثر انداز ہونے لگے۔ تاویلات و تسنکیک کے دروازے کھل گئے اور عملی زندگی میں نصوص قرآنی، طریق صحابہ سلف صالحین کے مذہب سے انحراف ہونے لگا۔

خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں یونانی فلسفہ کی تعلیمات عربی میں ترجمہ ہو کر اسلامی فکر پر اثر انداز ہونے لگیں۔ غرضیکہ علوم فلسفہ کی وسیع اشاعت سے دائرہ کلام و جدال اور میدان قیل و قال وسیع تر ہونے لگا۔ بازار سخن گرم ہوا۔ علم کلام میں رونق آگئی۔ اس موقع پر اکثر متقدمین فقہا اور مشائخ مثلاً امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی تصانیف کے ذریعے ان شرارت پسند فلاسفہ کے خیالات کی قلعی کھولی۔ غیر اسلامی انداز فکر کی پر زور تردید کی۔

اس دور کے اسلامی فلسفہ دانوں مثلاً امام فخر الدین رازی، بو علی سینا اور شہاب الدین مقتولؒ کے متعلق بعض ارباب کشف نے جو عالم رویا میں حضرت سرور کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰت سے مشرف بہ زیارت ہوئے اور آنحضرت ﷺ سے گفتگو کی تو حضور ﷺ نے فرمایا۔

(۱) امام فخر الدین رازی کے متعلق فرمایا "ذالك رجل معاتب (یہ شخص معتوب ہے)

(۲) بو علی سینا کے متعلق دریافت کرنے پر فرمایا۔ ذالك رجل اضله، الله

علی علم (اس شخص کو علم کے باوجود اللہ نے گمراہی میں رکھا)

(۳) جناب شہاب الدین مقتول کے متعلق جب آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ ھو متبعه (بو علی سینا کا پیروکار تھا)

پھر امام غزالیؒ جو ابتدائی زندگی میں متکلمین وقت سے مانے جاتے تھے۔ مگر آخری زندگی میں ان خیالات کو ترک کر کے طریقہ تصوف اختیار کر لیا اور علمائے محققین میں شمار کیے جاتے ہیں آپ کے متعلق دریافت کرنے پر سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "ذالك رجل وصل الی مقصوده" (یہ وہ شخص ہے جو آخر کار اپنی منزل مقصود پر پہنچ گیا۔

☆

حضرت عین القضاۃ ہمدانی

عین القضاۃ کا نام عبداللہ بن محمد کنیت ابو الفضائل وابو المعالی اور لقب عین القضاۃ تھا۔ لیکن کسی تاریخ یا تذکرہ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ وہ خود عمر کے کس حصہ میں عہدہ قضاۃ پر متمکن رہے۔ البتہ ان کے جد امجد ہمدان کے قاضی تھے۔

عین القضاۃ کا خاندان شہر میانہ (آذربائجان) کا رہنے والا تھا۔ جس نے نقل مکانی کے بعد ہمدان میں سکونت اختیار کر لی۔ عین القضاۃ اسی شہر میں پیدا ہوئے، علم وفضل میں بے نظیر تھے اپنے عہد کے علمائے کبار میں شمار ہوتے تھے۔

علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد شیخ احمد غزالی کے اصحاب (مریدین میں شامل ہو گئے) اپنی تحریروں میں جہاں پر لفظ شیخ استعمال کرتے ہیں مثلاً شیخ ما گفت یا از شیخ بر سیدم اس سے مراد شیخ احمد غزالیؒ ہیں جو حجت الاسلام شیخ امام غزالیؒ کے چھوٹے بھائی تھے۔

عین القضاۃ اپنی تصنیف زبدۃ الحقائق میں لکھتے ہیں کہ علوم ظاہری کی

تحصیل میں میں نے عمر کا ایک حصہ صرف کیا۔ بحث و مطالعہ و تکرار سے دل برداشتہ ہو کر حجت الاسلام امام غزالی کی تصانیف کے مطالعہ میں مشغول ہو گیا۔ زندگی کے چار برس اس میں صرف کیے۔ امام صاحب کی کتابوں سے فراغت کے بعد مجھے یہ گمان ہوا کہ میں نے اپنے مطلوب کو پالیا ہے۔ قریب تھا کہ راہ طلب کو چھوڑ دیتا اور جو کچھ مجھے حاصل ہو چکا ہے اسی پر اکتفا کر لیتا کہ اتفاق سے انہی ایام میں سیدی و مولائی الشیخ الامام سلطان الطریقت امام احمد بن محمد غزالیؒ میرے وطن ہمدان میں تشریف لائے، ان کی خدمت میں حاضر ہوا، سلطان الطریقت کی صحبت میں رہ کر بیس دنوں کے اندر جو کچھ مجھ پر ظاہر ہوا گزشتہ تمام عمر اس سے محروم رہا۔ اب سوائے طلب فنا کے میرا کوئی شغل نہیں۔ جو کچھ میں دیکھ چکا ہوں اگر عمر نوح علیہ السلام بھی مل جائے تو اس کی طلب میں فنا کر دوں گا۔

عین القضاۃ کی تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں۔

کتاب تمہیدات، رسالہ زبدۃ الحقائق، رسالہ یزداں شناخت، کتاب شکوی الغریب عن الاوطان الی علماء البلدان، تفسیر حقائق القرآن (جو مکمل نہ ہو سکی) مکتوبات اور چند دیگر رسائل وغیرہ۔

عین القضاۃ حسین بن منصور حلاج کی روش پر تھے۔ تحریر و تقریر میں رموز و کنایات، شطحیات و اشارات کی کثرت تھی۔ عوامی ذہن ان کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ بسا اوقات عوام سے بے پرواہ ہو کر جو کچھ خود سمجھتے بے خوف و خطر برملا کہہ دیتے اسی بناء پر دعوئے الوہیت سے متہم ہوئے اور قتل کر دیے گئے۔

عماد کاتب نے لکھا ہے کہ عین القضاۃ ہمدانی اعیان علماء اور صاحب کرامات اولیاء اللہ سے تھے۔ اس دور کے مشہور اہل علم نے ان پر حسد کیا۔ اور ان کی تالیفات سے بعض ایسی عبارات کو جن میں وہ قصور فہم کی بناء پر سمجھنے سے

عاری تھے۔ دست آویز تکفیر بنایا اور قتل کا فتویٰ صادر کر دیا۔

"کارنامہ بزرگان ایران" میں ہے کہ سلطان محمود بن محمد بن ملک شاہ کا وزیر عزیز الدین عین القضاۃ کا بڑا مداح و معتقد تھا۔ جب تک وہ زندہ رہا عین القضاۃ جو چاہتے آزادانہ کہہ دیتے کسی کو گرفت کی جرات نہ ہوتی تھی حتیٰ کہ ان کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ لیکن جب بربنائے مخاصمت قدیم عزیز الدین مستوفی، ابوالقاسم وزیر دوگزینی کی حیلہ سازیوں سے گرفتار کر کے دست بستہ بغداد روانہ کر دیا، جہاں چند روز قید خانہ میں رہے بعد ازاں وزیر ابوالقاسم کے حکم سے دوبارہ ہمدان لائے گئے اور جس مدرسہ میں وہ مریدوں کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہتے تھے اس کے دروازہ پر انہیں دار پر چڑھایا گیا پھر لاش اتار کر کھال کھنچوائی اور نفت آلود بوریا میں لپیٹ کر جلا دی اور خاکستری منصور حلاج کی طرح ہوا میں منتشر کر دی۔ یہ واقعہ چار شنبہ کی رات ہفتم جمادی الثانی ۵۲۵ھ کو ظہور میں آیا۔

تذکرہ عرفات میں ہے کہ اس واقعہ سے ایک ہفتہ قبل خواجہ عین القضاۃ نے اپنے مریدوں میں سے ایک مرید کو سربمہر لفافہ دیا اور کہا کہ اسے اپنے پاس محفوظ رکھو جب ایک ہفتہ گزر جائے تو اسے کھول کر پڑھ لینا۔ چنانچہ خواجہ کی شہادت کے بعد جب لفافہ کھولا گیا تو اس میں یہ رباعی درج تھی:

وال مرگ و شہادت از خدا خواستہ ایم — واں ہم بہ سہ چیز کم بہا خواستہ ایم
گر دوست چناں کند کہ ما خواستہ ایم — ما آتش و نفت و بوریا خواستہ ایم

☆

نظریہ وحدت الوجود

اللہ واحدہ لاشریک ہے۔ نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کی صفات میں۔ وہ لامحدود ہے اور جہت و سمت سے پاک ہے۔ نہ اس کا کوئی جسم ہے اور نہ کوئی اعضا، وہ ہر جگہ موجود ہے وہ نہ کسی ایک جگہ میں سما سکتا ہے اور نہ کسی ایک چیز یا شخص میں سما سکتا ہے۔ نظریہ توحید (وحدت الوجود) تشبیہ اور تنزیہ دونوں پر مشتمل ہے۔

☆

بیان وحدۃ الوجود
مع
رسالہ تحفہ مرسلہ (اردو ترجمہ)

فہرست بیان وحدۃ الوجود

(۱) وحدۃ الوجود کا مفہوم۔
(۲) نظریہ وحدۃ الوجود کے بانی اور اس کو ایک مستقل موضوع کی شکل دینے والے شیخ اکبر حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے۔
(۳) شیخ اکبر رحمۃ اللہ کا دیباچہ صادقہ بابت تصنیف فصوص الحکم۔
(۴) وحدۃ الوجود نص قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ سے ثابت ہے۔
(۵) صوفیائے کرام کا منظوم بیان وحدت الوجود۔
(۶) غوث اعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے پیر و مرشد حضرت شیخ ابو سعید محمد مبارک بن شیخ علی المعروف بہ فضل اللہ مخزومی الکمی قدس سرہ کے افکار و خیالات متعلق وحدۃ الوجود۔ موصوف کی تصنیف "تحفہ مرسلہ شریف" (اردو ترجمہ)۔
(۷) افضل المدققین، فخر المحققین، اعتصام الحکماء، امام العرفا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے بابت وحدۃ الوجود۔
(۸) مسئلہ وحدۃ الوجود کے اثبات و جواز کے متعلق محی السلف، حجۃ الخلف شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے۔
(۹) مولانا اسمٰعیل دہلوی مصنف "تقویۃ الایمان" کی رائے۔
(۱۰) مولانا محمد قاسم نانوتوی کی رائے۔
(۱۱) قائلین وحدۃ الوجود کے متعلق حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ۔
(۱۲) امام اہلسنت اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے وحدت الوجود کے بارے میں افکار و خیالات۔
(۱۳) پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے مسئلہ وحدۃ الوجود کے متعلق افکار و خیالات۔
(۱۴) عوام الناس کے سامنے مسئلہ وحدۃ الوجود پر گفتگو نہ کرنے کی تاکید۔
(۱۵) مسئلہ وحدۃ الوجود سے متعلق ایک ضروری وضاحت

باب دہم

بیان وحدۃ الوجود

وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے ظاہر وہی ہے باطن
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ کے چوتھے بعنوان "خودی" میں علامہ اقبال فرماتے ہیں "یہ صرف تصوف تھا جس نے کوشش کی کہ عبادت وریاضت کے ذریعہ واردات باطن کی وحدت تک پہنچے۔ قرآن پاک کے نزدیک یہ واردات علم کا ایک سرچشمہ ہے۔ اب اگر صرف مذہبی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس واردات کا نشو نما حلاج کے نعرہ انا الحق میں اپنے معراج کمال کو پہنچ گیا اور حلاج کے معاصرین و متبعین نے اس کی تعبیر وحدۃ الوجود کے رنگ میں کی۔

اقبال کے علاوہ صوفیہ کا ایک گروہ بھی اس نعرہ انا الحق کو توحید وجودی کی وجہ سے سمجھتا ہے اس لئے یہاں مسئلہ وحدۃ الوجود کے متعلق کچھ لکھنا نامناسب نہ ہوگا۔

مسئلہ حدۃ الوجود وہ معرکۃ الآراء مسئلہ ہے جس کی بناء پر صدیوں علمائے ظواہر اور صوفیہ کرام میں اختلاف چلا آرہا ہے۔ بزرگان سلف قدیم سے اس مسئلہ کے متعلق اپنی تصنیفات اور کلام میں اشارہ کرتے چلے آئے ہیں اور اولیاء کرام اس مسئلہ کو معرفت کی جان سمجھتے ہیں۔

نظریہ وحدۃ الوجود کے قائلین میں بڑے بڑے صلحاء، عارفین اور اکابر صوفیہ شامل ہیں، جن میں سب سے پہلے نام حضرت شیخ محی الدین ابن العربیؒ کا ہے۔ ان کے علاوہ شیخ صدر الدین قونویؒ۔ شیخ عبدالکریم، شیخ عبدالرزاق

جھنجھانویؒ، شیخ امان اللہ پانی پتیؒ، مولانا رومؒ، حضرت شمس الدین تبریزیؒ، شیخ فرید الدین عطارؒ، سید محمد گیسو درازؒ، حضرت خواجہ عبداللہ احرارؒ، مولانا جامیؒ، حضرت خواجہ باقی باللہ کابلیؒ، شیخ عبدالرزاق کاشیؒ، محبّ اللہ الہ آبادیؒ، کلیم اللہ جہاں آبادیؒ، شمس الدین غفاریؒ، سعید الدین فرعانیؒ، اور علمائے مدینہ منورہ میں حضرت شیخ ابراہیمؒ کردی اور مشائخ مکہ معظمہ میں شیخ حسام الدین علی نقیؒ اور علمائے ہند میں حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ اس مسئلہ کے قائل ہیں۔

غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ حضرت خواجہ بزرگؒ اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے کلام میں اس مسئلہ کے اشارات ملتے ہیں اور حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ سے تواتراً منقول ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو وحدۃ الوجود کی تلقین کیا کرتے تھے۔ (کذافی فتوۃ عزیزیہ)۔

یہ مسئلہ نہ تو ایمانیات سے متعلق ہے اور نہ نجات اخروی اس مسئلہ کو جاننے یا نہ جاننے پر منحصر ہے البتہ لذت عقلی، تلذذ روحانی اور ازدیاد ایمانی کا موجب ضرور ہے۔ اس مسئلہ کا تعلق سالکان راہ طریقت اور عارفان منزل حقیقت کی واردات قلبی اور کیفیات کشفی سے ہے۔

نظریہ وحدۃ الوجود کے بانی یا اس کو ایک مستقل موضوع کی شکل دینے والے حضرت شیخ محی الدین ابن العربی ہیں جو شیخ اکبر کے لقب سے مشہور ہیں۔ موصوف صوفیہ میں تو رئیس الطائفہ ہیں ہی، بڑے بڑے مشاہیر علماء بھی ان کی تبحر علمی اور علم و فضل میں جلالت شان کے قائل ہیں چنانچہ شیخ محی الدین فیروز آبادی صاحب قاموس کہتے ہیں کہ ہم کو قوم میں سے کسی کے متعلق یہ روایت نہیں پہنچی کہ کوئی شخص علم شریعت و طریقت میں اور معرفت و حقیقت میں اس درجہ کو پہنچا ہو جس درجہ پر شیخ اکبر پہنچے تھے۔ وہ شیخ کے غایت درجہ کے معتقد تھے

اور جو شخص شیخ کی تنقیص کرتا تھا وہ اس کی مخالفت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمیشہ سے لوگ شیخ کے ساتھ عقیدت رکھنے پر اور ان کی تالیفات کو آب زر سے لکھنے پر غایت درجہ متوجہ رہے ہیں۔ ان کی حیات میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی اور کہا میں اس بات کا قائل ہوں کہ شیخ اکبر محقق اور شیخ الطریقت تھے۔ حالاً بھی اور علماً بھی۔ اور امام اہل تحقیق تھے ظاہراً بھی اور حقیقتاً بھی اور علوم عارفین کے احیاء کرنے والے تھے، فعلاً بھی اور لفظاً بھی اور حقیقتاً بھی۔ نیز جمہور صوفیہ نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ وہ اہل تحقیق و توحید کے امام ہیں اور علوم ظاہری میں یکتاو یگانہ ہیں۔

شیخ سراج الدین مخزومی جو شام میں شیخ الاسلام کے عہدہ پر فائز تھے کہتے تھے کہ اپنے آپ کو شیخ محی الدین ابن العربی کے کلام پر معاندانہ تنقید سے بہت بچانا، فرمایا! اولیاء اللہ سے بغض رکھنے والے کے دین کا برباد ہو جانا ایک مسلم بات ہے اور جو شخص ان سے بغض رکھتا ہے وہ نصرانی ہو کر مرتا ہے اور جو شخص ان کی شان میں گستاخی کے ساتھ زبان درازی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو موت قلب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

اسی طرح کمال الدین زملکانیؒ جو اجل علمائے شام میں سے تھے نیز شیخ قطب الدین حمویؒ شیخ اکبرؒ کے مداحوں میں تھے اور جب شیخ شام سے اپنے وطن کو واپس آئے تو ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے شیخ اکبرؒ کو کس حال میں پایا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ان کو زہد و معارف میں ایک بحر ذخار و بے پید اکنار پایا۔

شیخ کے ثناخوانوں میں سے شیخ صلاح الدین صفویؒ نے بھی تاریخ علمائے مصر میں ان کی تعریف کی ہے اور کہا ہے کہ جو شخص علوم لدنیہ والوں کے کلام کو دیکھنا چاہے وہ شیخ ابن العربی کی کتابوں کا مطالعہ کرے۔

شیخ قطب الدین شیرازیؒ کہا کرتے تھے کہ شیخ محی الدین ابن العربیؒ علوم شریعت و طریقت میں کامل تھے اور ان کی شان میں وہی شخص جرح و قدح کرتا ہے

جو ان کے کلام کو نہیں سمجھتا اور اس لیے ان کی تصدیق نہیں کرتا۔ مگر یہ بات ان کے کمال میں قادح نہیں جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام پر ایمان نہ لانے والے لوگوں کی زبان سے ان کو جنون و سحر کی طرف منسوب کرنا ان حضرات کے کمال میں قادح نہیں۔

اسی طرح شیخ مؤید الدین جندیؒ اور حضرت شیخ شہاب دین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے کسی شخص کو اہل طریق میں سے نہیں سنا کہ وہ ان علوم پر مطلع ہوا ہو جن پر شیخ اکبرؒ مطلع ہوئے تھے۔

نیز شیخ کمال الدین کاشیؒ اور علامہ شعرانیؒ کی بھی یہی رائے ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کامل محقق اور صاحب کمالات و کرامات ہیں۔ حضرت شیخ فخر الدین رازیؒ نے شیخ اکبر کو ولی عظیم تسلیم کیا ہے۔

امام محی الدین نوویؒ سے جب شیخ اکبرؒ کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ ہر صاحب عقل پر یہ بات حرام ہے کہ اولیاء اللہ میں سے کسی کے ساتھ بدگمانی رکھے اور اس پر واجب ہے کہ ان کے کلام کی تاویل کرتا رہے نیز آپ نے شرح مہذب میں فرمایا ہے کہ جب تاویل کرے تو ستر وجوہ تک کرے تاکہ جس طرح ممکن ہو ان پر اعتراض نہ اٹھائے اور ہم صرف ایک دو تاویلوں کو قبول نہیں کرتے اور جب تک ان کے درجہ تک نہ پہنچ جائے کلام نہ کرے اور ان کے درجہ پر پہنچنے کے بعد ہی اس کو کلام کرنے کا حق حاصل ہے۔

جناب امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شیخ اکبرؒ کی تعریف کی ہے اور ان کی ولایت عظمیٰ کی تصدیق کی ہے۔ ان کے علاوہ شیخ محمد مغربی شاذلی رحمۃ اللہ علیہ جو علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں ابن العربیؒ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ اہل عرفان کے مربی ہیں جس طرح حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اہل ارادت کے مربی ہیں۔

حافظ علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ شیخ اکبر کے متعلق تعدیل پر زور دیتے ہیں۔ لسان المیزان جلد پنجم میں متعدد صفحات ہیں جن میں ابن الندیم، ابن الایاز، زکی منذری، ابن النجار اور ابن نقطہ وغیرہ کی توصیف و منقبت ابن العربی کے حق میں نقل کی گئی ہے۔

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی طبقات الکبری جلد اول صفحہ ۱۶۰ پر لکھتے ہیں کہ صاحب تحقیق اہل اللہ نے ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کے جملہ علوم پر جلالت شان پر اتفاق کیا ہے۔

اب مختصر طور پر اس مسئلہ کے مفہوم کے اظہار کی کوشش کے طور پر چند سطور لکھی جاتی ہیں نیز مختلف شیوخ، آئمہ اور صوفیہ نے جو اس کی تعریف اور تشریح کی ہے وہ بھی بیان کی جاتی ہے۔

عقیدہ وحدۃ الوجود کا مطلب یہ ہے کہ کائنات خدا سے علیحدہ نہیں بلکہ اسی کے مظاہر کا نام عالم ہے۔ اور دنیا ذات باری کی مختلف صورتوں کا نام ہے موجود صرف وہی ہے یہ تعدد محض اعتباری اور فرضی ہے۔

یعنی ایک وجود تمام مظاہر میں جلوہ کناں ہے، اس عالم کون میں صرف ایک بسیط ذات موجود ہے جو نہ کلی ہے نہ جزئی۔ اس ذات سے بے شمار مختلف اور واقعی مظاہر ظہور میں آئے ہیں، اور ہر مظہر پر مختلف آثار و احکام مرتب ہوتے ہیں جو ممکن کہلاتے ہیں اور تعین سے قطع نظر جو ذات موجود ہے وہی واجب الوجود ہے یعنی ایک مطلق ہستی مختلف شکلوں میں ظاہر ہو رہی ہے جیسے دریا اپنی روانی میں مختلف لہروں کی شکلوں میں ظاہر ہوا کرتا ہے۔ حقیقتاً ہر لہر کوئی جداگانہ ہستی نہیں ہے بلکہ دریا ہی کی ایک شکل ہے، اسی طرح اس ہستی مطلق کے مختلف مظہروں کو یعنی آسمان و زمین، حیوان و انسان وغیرہ کو جداگانہ صورتوں سے موسوم کرتے ہیں۔ اگرچہ حقیقت میں یہ چیزیں جداگانہ ہستی نہیں ہیں بلکہ اسی

ایک ذات کے مختلف ظہور ہیں۔ اسی عقیدہ کے جو صوفیہ قائل ہیں وہ ہر ذرہ کائنات میں جلوہ خدا کا کامل ظہور بیان کرتے ہیں۔

یا یوں سمجھ لیجیے کہ تمام دنیا میں حقیقی وجود صرف ایک ہی ہے باقی یہ تمام جزئی تشخص ہستیاں اس کی پرتو ہیں مثلاً چراغ اصل ہے اور جو روشنی اس سے پھیلتی ہے وہ اسی کا ظہور ہے۔ یا انسان اصل ہے اور اس کا سایہ جو بہ ظاہر موجود ہے۔ حقیقتاً انسان کا عکس محض اور معدوم ہے۔

وحدۃ الوجود کے مفہوم کو ان الفاظ میں بھی ادا کر سکتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ وجود مطلق ہے اور دیگر ہستیاں صرف اس کی تشخصیات اور تعینات ہیں مثلاً دریا اور موج، دھاگا اور تصویر اور کاغذ۔ موج دریا کی ایک خاص ہیت اور تصویر کاغذ کی ایک خاص حدبندی کا نام ہے۔ اگر اس مخصوص شکل، ہیت اور حدبندی سے قطع نظر کر لیا جائے تو موج، گرہ، اور تصویر کا کوئی مستقل وجود نہیں نکلتا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مثنوی میں فرماتے ہیں۔

جملہ معشوق است و عاشق پردہ
زندہ معشوق است و عاشق مردہ

اس شعر کی شرح میں صاحب مفتاح العلوم وحدۃ الوجود کے مسئلہ پر یوں روشنی ڈالتے ہیں کہ تمام موجودات عین معشوق ہیں جو ذات حق ہے اور عاشق جو تعینات و تشخصات میں پایا جاتا ہے محض ایک پردہ ہے۔ اگر یہ پردہ اٹھ جائے تو عالم نابود ہو جائے اسی طرح معشوق یعنی ذات حق زندہ جاوید ہے اور عاشق مثل مردہ کے ہے کیونکہ عاشق کا وجود اور اس کی حیات و موت خدا ہی کی ایک شان ہے اگر وہ اس شان کے بغیر جلوہ گر ہونا چاہیے تو عالم نیست و نابود ہو جائے۔

اس مقام پر صاحب مفتاح العلوم اور صاحب کلید مثنوی نے لکھا ہے کہ جملہ معشوق است ہم معنی ہمہ اوست کا ہے جو گویا وحدۃ الوجود کا دعویٰ ہے اور

خلاصہ اس دعویٰ کا یہ ہے کہ ممکنات تو صرف موجود ظاہری ہیں اور حقیقت میں کوئی موجود حقیقی یعنی موصوف بکمال ہستی نہیں ہے۔ بجز ذات حق کے، جس طرح کوئی حاکم کسی داد خواہ سے کہے کہ تم نے پولیس رپورٹ لکھوائی ہے؟ وہ عرض کرے، جناب آپ ہی پولیس ہیں ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حاکم اور پولیس میں کوئی فرق نہیں بلکہ حاکم کا صاحب اختیار ہونا مراد ہے۔

اسی طرح ہمہ اوست میں ہمہ اور او کا اتحاد مقصود یہ ہے کہ ہمہ کی ہستی ہستی کامل کے سامنے محض ایک ظاہری ہستی ہے حقیقی اور کامل نہیں ہے۔ دوسرا مصرعہ اس مضمون کی تفسیر ہے تشریح اس کی یہ ذات ہے کہ ہر صنعت کے دو درجے ہوتے ہیں ایک کامل اور دوسرا ناقص اور یہ قاعدہ ہے کہ ناقص کو ہمیشہ کامل کے سامنے کالعدم سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی ادنیٰ درجہ کا حاکم کرسی اجلاس پر بیٹھا ہوا اپنی شان حکومت دکھا رہا ہو اتنے میں بادشاہ وقت اتفاق سے برسر اجلاس آپہنچے تو حاکم کا نشہ غرور ہرن ہو جائے گا اور رعب سلطانی سے اس کا چہرہ فق ہو جائے گا۔ گو اس وقت اس کا منصب و عہدہ معدوم نہیں ہوا ہے مگر حقیقتاً کالعدم ضرور ہے۔

اسی طرح ممکنات گو موجود ہیں مگر موجود حق کے روبرو ان کا وجود ناقص ضعیف و حقیر ہے، گو ان کے وجود کو معدوم نہیں کہہ سکتے مگر تقریباً معدوم کے برابر ہے۔ اسی کو نظریہ وحدۃ الوجود کہا جاتا ہے جیسا کہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یکے قطرہ باراں ز ابرے چکید   خجل شد چو پہنائے دریا بدید
کہ جائے کہ دریاست من کیستم   گر او ہست حقا کہ من نیستم

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں تصریح کر دی ہے کہ ہست تو سب ہیں مگر ان کی ہستی، ہستی حق کے سامنے ہستی کہلانے کے قابل نہیں ہے۔

مولانا روم نے اس مصرعہ میں تمثیلاً فرمایا ہے کہ حضرت حق کو مثل زندہ کے سمجھو اور ممکن کو مثل مردہ کے گو نعش مردہ بھی کسی طرح کا وجود رکھتی ہے مگر زندہ کے سامنے اس کی ہستی قابل اعتبار نہیں چونکہ مردہ کی ہستی ناقص ہے اور زندہ کی کامل۔

شیخ ابن العربیؒ اور ان کے متبعین کے کلام توحید وجودی کو بھی اسی معنی میں محمول کرنا چاہئے اور مخلوق کو ذات حق کا عین کہنا ان معنوں کے لحاظ سے نہیں چاہئے کہ عالم اپنے بنانے والے کے ساتھ متحد ہے۔ ایسا ہر گز نہیں ہے اور نہ ایسا اعتقاد رکھنا چاہئے بلکہ ان معنی کے اعتبار سے ہے کہ عالم عدم قبول کرنے والا اور فانی ہے اور واجب الوجود یعنی حق تعالیٰ غیر فانی ہے۔

معرفت و حقیقت کے امام شیخ محی الدین ابن عربی فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں **الاشیاء فی ظھورہ لا فی ذواتھابل ھو ھو** یعنی صرف ظہور کے لحاظ سے حق اشیاء کا عین ہے ذات کے اعتبار سے نہیں۔

اس مسئلہ کے جواز میں سب سے پہلے تو خود شیخ اکبرؒ کی وہ عبارت ہے جس کو موصوف نے اپنی تصنیف فصوص الحکم کا سبب قرار دیا ہے۔ شیخ اکبر فصوص الحکم کی ابتدا میں امابعد کے لکھتے ہیں کہ بعد حمد و صلوٰۃ کے میں کہتا ہوں کہ میں ایک رویا مبشرہ میں جو مجھ کو دکھلائی گئی رسول اللہ ﷺ کو محرم ۷ ۶۲ھ کے آخری عشرہ میں محروسہ دمشق میں دیکھا اور حضور پاک ﷺ کے دست مبارک میں ایک کتاب تھی اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کتاب فصوص الحکم ہے اس کو لو اور لوگوں پر اس کو ظاہر کرو وہ اس سے نفع حاصل کریں گے۔ میں نے عرض کیا ہمارا کام سننا اور ماننا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور ہم میں جو اولوالامر ہیں ان کے لیئے جیسا ہم کو حکم ہوا ہے۔ پس میں نے مقصود کو پالیا، اچھی طرح محقق کر لیا اور نیت کو خالص کر لیا اور اپنے قصد و عزم کو اس

کتاب کو ظاہر کرنے کے لئے مجرد کر لیا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے میرے لئے محدود و معین کر دیا تھا نہ اس میں بیشی کی اور نہ کمی۔

یہ مسئلہ نص قرآنی اور احادیث پاک سے ثابت ہے۔ توحید وجودی پر ۱۶ آیات محکمات دال ہیں۔ (اول) لا اله الا الله (دوم) لا اله الا هو (سوم) لا اله الا انا (چہارم) لا اله الا انت سبحانك (پنجم) انما الهكم اله واحد (ششم) مالكم من اله غيره (ہفتم) هو الاول والا خروالظاهرو والباطن (ہشتم) اینما تولوا فثم وجه الله (نہم) وهو منعكم اینما كنتم (دہم) والله علی كل شئی قدیر (یازدہم) وهوالذی فی السماء اله وفی الارض اله (دوازدہم) قل هو الله احد (سیزدہم) مایكون من بحوی ثلثه الاهو رابعهم ولا خمسته الاهو سادهم ولا ادنی من ذالك ولا اكثر الا هو معهم (چہاردم) لوكان فيهما اليهته الا الله لفسدتا (پانزدہم) لوكان هو لاء الهه مادر دوها. (شازدہم) ماكان معه من اله اذالذهب كل اله بما خلق ولعلی بعضهم علی بعض.

نیز اللہ تعالیٰ سورۃ نور میں فرماتا ہے الله نور السموٰت والارض یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں نظر آتا ہے یا پوشیدہ ہے یعنی کل وجود الاشیاء جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا نور ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے حدیث پاک میں فرمایا ہے انا من نور الله وكل خلائق من نوری یعنی میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام مخلوق میرے نور سے ہے اس سے ثابت ہوا کہ سب جگہ وہی نور موجود ہے غیر نہیں۔

نور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور صفت عین ذات ہے جس سے معلوم ہوا کہ نور یعنی ذات حق تعالیٰ ہی ہر جگہ موجود ہے اور جیسا کہ اس کو سمجھانے کے لئے یوں فرمایا گیا اللہ وجود السموٰت والارض اور الله عین السموٰت والارض اور جو

مطابق فاینما تولوا فثم وجہ اللہ ہے یعنی انما ھو نور واحد فی عین صورت الخلق یعنی وہ نور واحد ہے جو خلق کی صورت میں عین ہے (فتوحات مکیہ) اسی نظریہ وحدۃ الوجود کے تحت مولانا روم فرماتے ہیں۔

دو مبیں، دو مخواں، دو مداں — خواجہ را در خواجہ خود محو داں
چوں صبا بینی ز حق ایں خواجہ را — گم کنی ہم متن وہم خواجہ را

یعنی نہ دو دیکھ۔ نہ دو کہہ اور نہ دو جان خواجہ کو اپنے خواجہ میں فانی سمجھ اور اگر اس خواجہ کو خدا سے جدا دیکھے گا تو متن اور دیباچہ ہی کو گم کر دے گا۔ یعنی اولیاء کرام جو فنافی الرسول اور فنافی اللہ ہوتے ہیں ان میں جمال حضور ﷺ اور خدائے تعالیٰ کے جمال کا شیخ کی صورت میں مشاہدہ کرتے ہیں اسی مقام کو حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان فرماتے ہیں۔

چونکہ ذات پیر را کردی قبول — ہم خدا درذاتش آمد ہم رسول
پیرو حق را از حولی ہر کہ دید — او مرید است در حقیقت نے مرید

یعنی جب تو نے پیر کی ذات کو قبول کر لیا تو اسی کی ذات میں خدائے تعالیٰ اور حضور ﷺ بھی آگئے اور جس نے بھینگے پن سے پیر کامل اور خداوند تعالیٰ کو دو دیکھا وہ مرید در حقیقت مرید ہی نہیں ہے۔

حضرت گل حسن خلیفہ حضرت غوث علی شاہ قلندر پانی پتہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دیدن او ممکن نیست مگر در صورت صاحب کمال کہ انسان کامل ذات اوذات حق است و مظہر کمالات حق یعنی حق کا دیدار ممکن نہیں ہے۔ مگر صاحب کمال کی صورت میں چونکہ انسان کامل ذات حق ہے اور حق تعالیٰ کے کمالات کا مظہر ...... تفسیر روح البیان میں ہے "انسان حق تعالیٰ کی ذات و صفات کا آئینہ ہے ...... حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یجوز رویت اللہ تبارک

وتعالیٰ فی صورت البشریہ والنورانیہ۔

ترجمہ : اللہ تعالیٰ کو بشری اور نورانی صورت میں دیکھنا جائز ہے۔

(سر الاسرار ص ۲۲۶)

کھولی ہیں ذوق دید نے آنکھیں تری اگر
ہر رہگذر میں نقش کف پائے یار دیکھ

شیخ الاسلام حضرت خواجہ احمد جام رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے ولی اللہ ہیں جن کی مشہور کرامت ہے کہ ہاتھی کو زندہ کر دیا تھا جس کی وجہ سے ان کو زندہ پیل کہتے ہیں اسی مقام کے متعلق فرماتے ہیں۔

ذات حق را من ہویدا دیدہ ام — عین بہ صورت ذات حق را دیدہ ام
ہر زمانے شکل دیگر مے شود — تو صورت انساں خدا را دیدہ ام
آشکارا در ہمہ کون و مکاں — صورت ایزد تعالیٰ دیدہ ام
نیست پیدا جز کہ ذات پاک تو — ذات تو جملہ اشیاء دیدہ ام
سخت پنہاں از ظہور خویشتن — گاہ پنہاں گاہ پیدا دیدہ ام
بر لباس ما ہویدا احمد است — ذات احمدؐ بلنجا دیدہ ام

شمس العارفین سراج السالکین آشناء راز حقیقت عم محرم فی الطریقت الحاج خواجہ فقیر صوفی محمد نقیب اللہ شاہ صاحب قادری، سہروردی، ابو العلائی نقشبندی مجددی چشتی صابری نظامی، جہانگیری حسنی (آستانہ عالیہ نقیب آباد شریف تحصیل و ضلع قصور) فرماتے ہیں۔

صورت انساں خدا را دیدہ ام
نیست پنہاں آشکار دیدہ ام

فرمایا کل بزرگوں کا خیال ہے کہ تمام اولیاء صورت شیخ کامل میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کرتے ہیں چونکہ انسان کامل ہی اللہ تعالیٰ کے دیدار کا آئینہ ہے

احادیث صحاح سے آٹھ احادیث وحدت وجود پر دال ہیں۔

اول وہ حدیث شریف ہے جو صاحب مشکوٰۃ نے باب الایمان بالقدر میں بروایت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ ایتہ مقدسہ واذ اخذ ربك من بنی ادم من ظھور ھم ذریتھم کی تفسیر میں بیان کی ہے۔ الی ان قال اعلموا انه لا اله غیری ولا رب غیری ولا تشرکوابی شیاحتی، کہ فرمایا! جان لو کہ تحقیق میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے سوا کوئی رب نہیں میرے ساتھ کسی کا شریک نہ بنانا۔

دوسری حدیث ولا اله غیرك تیسری حدیث کان الله ولم یکن معه شئی چوتھی والذی نفس محمد لوانکم ولیستم بحبل الی الارض السفلی لھبط علی الله ثم قراء ھو الاول والاخر الظاھر والباطن وھو بکل شئی علیم یعنی قسم ہے اس ذات کی جس کی قدرت کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر تم اسی کے ساتھ ڈول باندھ کر سب سے نچلی زمین کی طرف لٹکاؤ تو اللہ ہی پر گرے گی پھر یہ آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ۔ اول وہی ہے آخر وہی ہے ظاہر وہی ہے باطن وہی ہے جو ہر شے کو جاننے والا ہے۔ پانچویں حدیث شریف لا تسبو الدھر فان الدھر ھو الله یعنی دہر کو برا نہ کہو دہر اللہ ہی ہے چھٹی حدیث قدسی ہے۔ کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف مخلقت الخلق لاعرف یعنی میں خزانہ مخفی تھا (کوئی جاننے والا نہ تھا) پھر میں نے اس بات کو چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے عالم اسباب و تکوین بنا کر مخلوق کو پیدا کیا یعنی کائنات کو پیدا کیا تاکہ ظہور پاکر پہچانا جاؤں۔ ساتویں بخاری شریف کی حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے مایزال عبدی یتقرب ابی بالنوافل حتی احببته فکنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصربه دیده التی یبطش بھا و رجله التی یمشی بھا۔

جب بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قرب حاصل کرلیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی قوت سامعہ بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے مطلب یہ ہوا کہ جب بندہ نفلی عبادات سے مجھ سے قرب حاصل کرلیتا ہے حتی کہ میری عبادت اور یاد اس کی روح میں سما جاتی ہے جس کے نتیجہ میں، میں اس سے محبت کرتا ہوں پھر اس کے جوارح سے افعال کا ظہور میری طرف سے ہوتا ہے، اس کا سننا میرا سننا، اس کا دیکھنا میرا دیکھنا اس کا تصرف میرا تصرف ہوتا ہے غرضیکہ وما رعیت اذ رعیت ولکن اللہ رمی

آٹھویں حدیث سب کلمات سے زیادہ سچا کلمہ جو کہ لبید شاعر نے کہا وہ یہ ہے کہ ''خبردار اللہ تعالیٰ کے سوا سب چیز باطل اور نابود ہے۔

☆

کلام منظوم دربیان وحدت الوجود

وحدت الوجود کے بارے میں بہت سے بزرگان طریقت نے اپنے منظوم کلام میں بھی اظہار فرمایا ہے۔

لا آدم فی الکون ولا ابلیس　　لا ملك سلیمان ولا بلقیس

فالکل عبارة وانت المغنی　　یامن ھو للقلوب مقناطیس

(شیخ محی الدین ابن العربیؒ)

☆☆

مزجت روحك فی روحی کما　　تمرج الخمرة بالماء الزلال

فاذا مسك شیئی مسمی　　فاذا انت انا فی کل حال

☆

اقتلونی یا ثقاتی ان فی قتلی حیاتی
و مماتی فی حیاتی و حیاتی فی مماتی

(حضرت حسین بن منصور حلاجؒ)

☆☆

من خرق گرد کردم عریاں خراہم
خوردم ہمہ رخت خود مہماں خرا باتم
من مرغ لاہوتی بدم دیدم کہ ناسوتی شدم
دامش بدیدم ناگہے دروے گرفتار آمدم
ماست و خراب از مۓ معشوق الستیم
زاں مست الستیم کہ معشوق پرستیم

(مولانا رومؒ)

☆☆

ایں خرقہ کہ من دارم دررہن شرا اولیٰ
دین دفتر بے معنی غرق مۓ ناب اولیٰ
چوں پیرشدی حافظ از میکدہ بیروں رو
رندی و ہوسناکی در عہد شباب اولیٰ

(خواجہ حافظ شیرازیؒ)

☆☆

ساقیا مے وہ کہ ما درد کش میخانہ ایم
ماخرابات آشنا و از خرد بیگانہ ایم

☆

سعدیا عبث احرام طوف کعبہ ے بندی
روئے یار خود بگر کعبہ صفا ایں است

(حضرت سعدی شیرازیؒ)

☆☆

رہ قلندر سزد اریمن نمائی
کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

☆

در خرابات مناں نور خاے بینم
دیں عجب میں کہ چہ نورے نہ کجاے بینم

(عراقیؒ)

☆☆

کافر عشقم مسلمانی مرا درکار نیست
ہر رگ من تار گشتہ حاجت زنار نیست

(حضرت امیر خسروؒ)

☆☆

روم در بمدہ شینم بہ پیش بت کنم سجدہ
اگر یایم خریدارے فروشم دین و ایمانم
شرف زنار و تسبیحت یکے شد
تو خواہی خواجہ شو خواہی غلامے

☆

بشکل شیخ دیدم مصطفیٰ را
ندیدم مصطفیٰ بل خدا را

ز خود فانی شدم دیدم بقا را
ندیم غیر ذات خود خدا را

(حضرت شاہ بو علی قلندر)

☆☆

من ندانم بادہ ام یا بادہ را پیمانہ ام
عاشق شواہدہ ام یا عشق یا جانانہ ام
اے امین بر مستیم نام تجدد تہمت است
در ازل پیش از زماں تعمیر شدہ میخانہ ام

(حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ)

☆☆

من اک نورم کہ اندر لامکاں موجود بودستم
بہ اتسراق خود شاہد و مشہود بودستم

☆

مست گشتم از دو چشم ساقی پیالہ نوش
الفراق اے ننگ و ناموس الوداع اے عقل و ہوش
دی بدم من شیخ دین و سجہ خوان مسجد نشین
ہستم اکنوں بت پرست و کافر و زنار پوش۔

☆

حسن ہر پری رو عکس حسن روئے اوست
رنگ و بوئے گلشن خوبی زرنگ بوے اوست

(حضرت شاہ نیازؒ)

☆☆

ماجملہ بصورت خدائیم
در صورت خود خدا نمائیم

☆

من شاہباز قدسم از لا مکاں پریدہ
بہر شکار صیدے در قالب آرمیدہ
احمد نیم کہ آویم از جراچہ گویم
مارا کجا شناسد آن را کہ نیست دیدہ

(احمد جامؒ)

☆☆

ماوائے تو از کعبہ و بت خانہ کدام است
اے خانہ بر انداز ترا خانہ کدام است

☆

از کثرت روزن نشود مہر مکرر
اے کج نظراں کعبہ و بت خانہ کدام است
در دیدۂ یکتائی ما حال دوئی نیست
زنار چہ و سبحہ صد دلنہ کدام است

(صائبؒ)

☆☆

رشتہ تسبیح ما رشتہ زنار رشد
رہ سوئے میخانہ داد مرشد دانائے ما

(حضرت ملاشاہ بدخشیؒ)

☆☆

ہر سو کہ دویدیم ہمہ روئے تو دیدیم
ہر جا کہ رسیدیم سر کوئے تو دیدیم

(مغربیؒ)

☆☆

نیست ما روشن دلاں را حاجت طواف حرم
کلیہ تاریک ما بیت الحرام بس است

(فانی کشمیری)

☆☆

اگرچہ بےخود و مستم و بے ہوشیار مے گردم
بباطن شاہ کونین ام بظاہر خوار مے گردم

(حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ)

☆☆

من لذت درد توبہ درماں نفروشم
کفر سر زلف توبہ ایمان نفروشم

(حضرت قدسیؒ)

☆☆

من مے گویم اناالحق یار میگوید بگو
چونگویم چوں مرا دلدار میگوید بگو

(حضرت عینیؒ)

☆☆

سنگ باب میکدہ را سجدہ گاہے ساختم
قبلہ ایمان و دین جادو نگاہے ساختم
ہر طرف صوم و صلوٰۃ الوداع سجدہ سجود
میکشی خوباں پرستی عزو جاہے ساختم

(حضرت نظامیؒ)

الحمد لله رب العالمین ٥ والعاقبه للمتقین ٥ والصلوۃ
علی المظهر الاتم محمد والا اجمعین ٥

بعد ازاں یہ بندہ گنہ گار نبی کریم ﷺ کی شفاعت کا امیدوار، الشیخ ابو سعید محمد مبارک بن شیخ علی المعروف بہ فضل اللہ معزی السلمی بن شیخ رضی الدین ابو خالد بن شیخ مہران الطوسی حسب ذیل بیان کرتا ہے۔

یہ چند کلمات علم الحقائق میں سے ہیں جن کو میں نے فرزند صالح و پسر روحانی عبدالقادر جیلانی کے لیے جمع کیا ہے تاکہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حقیقت جامعہ سے آگاہ ہو جائے۔ میں اس کا ثواب رسول اللہ ﷺ کی روح پرُ فتوح کی نذر کرتا ہوں۔ اس کا نام "تحفہ مرسلہ" رکھا ہے...... تحفہ جو نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اس کا ثواب آنحضرت ﷺ کو پہنچائے۔ یقیناً وہ ہر شے پر قادر ہے اور دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔

برادران من! اللہ تعالیٰ تمہیں اور ہمیں سعادت سے ہمکنار کرے۔ جان لو کہ حق سبحانہ و تعالیٰ ہی "وجود مطلق" ہے وہ ایسا وجود ہے کہ جس کے لئے نہ کوئی شکل ہے نہ کوئی حد و حصر۔ اس کے باوجود اس نے حد اور شکل میں ظہور و تجلی فرمائی۔ پھر بھی اس کے بے صورت و بے حد ہونے میں کوئی تغیر نہیں آیا۔ بلکہ وہ جیسا تھا ویسا کا ویسا ہے۔ الان کما کان۔

وجود واحد ہے لیکن لباس مختلف اور متعدد ہیں یہی وجود واحد تمام موجودات کی حقیقت اور ان کا باطن ہے۔ کائنات جتنی بھی ہے۔ تمام تر اس وجود

سے کہیں خالی نہیں۔ یہ "وجود" تحقق اور حصول کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ دونوں مصدری معنی ہیں اور خارج میں موجود نہیں ہیں۔ لہذا (لفظ) وجود کا اطلاق حق تعالیٰ پر جو خارج میں موجود ہے۔ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی شان اس سے بہت بلند و برتر ہے ہماری مراد اس وجود سے ایسی حقیقت ہے جو ان صفات سے متصف ہے۔ اس کا وجود اس کی ذات سے ہے اور تمام موجودات کا وجود اسی سے ہے اور خارج میں اس کا غیر نہیں ہے۔ نیز یہ کہ یہ وجود اپنی کنہ کے لحاظ سے کسی پر منکشف نہیں ہے۔ عقل، وہم یا حواس اس کا ادراک نہیں کر سکتے نہ ہی وہ قیاس میں آتا ہے۔ کیونکہ یہ سب محدثات ہیں اور محدث کے ادراک میں صرف محدث ہی آسکتا ہے اور حق تعالیٰ کی ذات اور صفات اس سے بہت بلند و برتر ہے۔ جس شخص نے اس جہت سے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کا ارادہ کیا اور اس میں کوشش کی تو اس نے اپنا وقت ضائع کیا۔

مراتب وجود

اس "وجود" کے بہت سے مراتب ہیں۔ ان میں سے پہلا مرتبہ لاتعین۔ اطلاق یا ذات بحت کا ہے۔ یہ نہیں کہ اطلاق کی قید یا پابندی اور سلب تعین کا مفہوم اس مرتبہ میں ثابت ہے۔ بلکہ یہ مرتبہ اس معنی میں "لاتعین" ہے کہ وجود اس مرتبے میں ہر قسم کی صفات کی نسبت سے منزہ اور ہر قید سے حتی کہ اطلاق کی قید سے بھی پاک ہے۔ اس مرتبہ کو "مرتبہ احدیت" بھی کہا جاتا ہے۔ اور یہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی کنہ ہے۔ اس مرتبہ سے اوپر اور کوئی مرتبہ نہیں بلکہ جملہ مراتب اس کے تحت ہی ہیں۔

مرتبہ ثانی کو "مرتبہ تعین اول" کہتے ہیں۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات و صفات کو ...... اور جملہ موجودات کو ...... تفصیلی طور پر اور ایک دوسرے میں امتیاز کے ساتھ ...... جاننا ہے اسے "واحدیت" اور "حقیقت

انسانیہ" بھی کہتے ہیں۔

مذکورہ بالا تینوں مراتب قدیم ہیں۔ ان کے آگے پیچھے ہونا عقلی ہے۔ زبانی نہیں ہے۔

چوتھا مرتبہ "مرتبہ ارواح" ہے اس سے مراد وہ مجرد اور بسیط کونی اشیاء ہیں جو اپنی ذوات اور امثال پر ظاہر ہوتی ہیں۔

پانچواں مرتبہ "عالم مثال" کا ہے۔ اس سے مراد اشیائے کونیہ مرکبہ لطیفہ ہیں جو نہ تو اجزاء میں تقسیم ہوتی ہیں۔ نہ ان کے ٹکڑے کیے جا سکتے ہیں اور نہ وہ فرق والتیام (یعنی پھاڑنے اور جوڑنے) کا عمل قبول کرتی ہیں۔

چھٹا مرتبہ "عالم اجسام" کا ہے اور یہ ان اشیائے کونیہ مرکبہ کثیفہ سے عبارت ہے جو تجزی اور الگ الگ ہونے کا عمل قبول کرتی ہیں۔

ساتواں مرتبہ ان تمام مراتب مذکورہ ...... جسمانی، نورانی، روحانی، وحدت اور واحدیت کا جامع ہے۔ یہ سب سے آخری تجلی اور سب سے آخری لباس ہے اور اسے "انسان" کہتے ہیں۔

ان مراتب میں سے پہلا مرتبہ "لا ظہور" کا مرتبہ ہے باقی چھ کے چھ مراتب ظہور کلیہ کے ہیں۔ ان میں سے اخیر مرتبہ یعنی انسان جب عروج کرتا ہے تو اس میں تمام مذکورہ مراتب اپنے پورے پھیلاؤ کے ساتھ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس کو "انسان کامل" کہا جاتا ہے۔ یہ عروج اور جملہ مراتب کا پھیلاؤ کامل طور پر ہمارے نبی کریم ﷺ میں ظاہر ہوا۔ اسی بنا پر آپ خاتم النبیین کہلائے۔

"مراتب الوہیت" کے اسماء کا مراتب کون و خلق پر بولنا جائز نہیں۔ اسی طرح مراتب کون و خلق کا مراتب الوہیت پر اطلاق جائز نہیں ہے۔

کمالات وجود

"وجود" کے لئے دو طرح کے کمالات ہیں۔ ایک کمال ذاتی اور دوسرا

کمال اسمائی ہے۔ کمال ذاتی سے حق تعالیٰ کا ظہور اپنے آپ پر، اپنے آپ میں اور اپنے لئے ہے اس میں غیر اور غیریت کا اعتبار نہیں۔ اس کمال کے واسطے غنائے مطلق لازمی ہے۔

غنائے مطلق

یعنی حق تعالیٰ کا اپنے آپ میں تمام شیون اور اعتبارات الہیہ وکونیہ کا مع ان کے احکام والوازم ومقتضیات کے کلی اور اجمالی طور پر مشاہدہ فرمانا، کیونکہ یہ سب اس کے بطون اور اس کی وحدت میں مندرج ہیں جس طرح تمام اعداد "واحدی عددی" کے اندر مندرج ہوتے ہیں۔

اس مشاہدہ کو غنائے مطلق اس لئے کہا گیا ہے کہ (اس مشاہدہ کے باعث) حق تعالیٰ ظہور عالم سے تفصیلی طور پر مستغنی ہے۔ اس کو حصول مشاہدہ کے لئے جہاں اور اس کی اشیاء کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تمام موجودات کا مشاہدہ بوجہ کل کے بطون وحدت میں مندرج ہونے کے حاصل ہے۔ اور یہ مشاہدہ شہود عینی علمی کہلاتا ہے۔ جیسے مفصل کا شہود مجمل ہوتا ہے یا کثیر کا واحد میں یا درخت کا شہود شاخوں، پتوں وغیرہ سمیت ایک گٹھلی میں ہوتا ہے۔

کمال اسمائی سے مراد حق تعالیٰ کا ظہور اپنے آپ پر اور اس کی ذات کا شہود تعینات خارجیہ ...... یعنی عالم اور مافیہ ...... میں ہے۔ اس شہود کو "شہود اعیانی وجودی" کہتے ہیں، جیسے مجمل کا شہود مفصل میں، واحد کا کثیر میں اور گٹھلی کا شہود درخت اور پھل پھول میں ہے۔

یہ کمال اسمائی تحقق اور ظہور کے لحاظ سے عالم (اور جو کچھ اس میں ہے) کی ہستی پر موقوف ہے۔ کیونکہ اس کے جو معنی اوپر بیان ہوئے ہیں وہ عالم کے تفصیلی طور پر ظہور کے سوا حاصل نہیں ہو سکتے۔

"وجوہ" نہ تو موجودات میں حلول کیے ہوئے ہے اور نہ ان سے متحد ہے۔ کیونکہ حلول اور اتحاد کے لئے دو موجودوں کا ہونا ضروری ہے تاکہ ایک دوسرے میں حلول کر سکے یا ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہو سکے۔ اور "وجود" تو صرف ایک ہے، اس میں تعدد اصلاً نہیں ہے۔ یہ تعدد جو نظر آتا ہے صفات میں ہے اس پر عارفوں کا ذوق اور وجدان شاہد ہے۔

عبودیت، تکالیف، راحت، عذاب اور آلام...... یہ سب تعینات کی طرف راجع ہیں۔

مرتبہ اطلاق کے اعتبار سے "وجود" ان سب اشیاء سے منزہ ہے۔

"وجود" جملہ موجودات کو محیط ہے۔ یہ احاطہ ایسا ہے جیسا ملزوم کا اپنے لازم کو یا موصوف کا اپنی صفات کو ہوتا ہے۔ ایسا احاطہ نہیں جیسا ظرف کا اپنے مظروف کو یا کل کا اپنے جزو کو ہوتا ہے کیونکہ ذات اللہ تعالیٰ اس سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

جس طرح وجود اپنے اطلاق محض کے اعتبار سے جملہ موجودات کی ذاتوں میں سرایت کیے ہوئے ہے، اسی طرح "وجود" کی صفات کاملہ بھی اپنی کلیت اور اطلاق کے اعتبار سے تمام موجودات میں ساری ہیں۔ "وجود" کے موجودات کی ذاتوں میں ساری ہونے کی صورت یہ ہے کہ وہ ان ذاتوں میں ان کا عین ہے جیسا کہ وہ ذاتیں ظہور سے پہلے اس "وجود" میں اس کا عین تھیں۔ اسی طرح صفات کاملہ صفات موجودات کے ضمن میں صفات موجودات کی عین ہیں جیسا کہ وہ (یعنی صفات موجودات) اپنے ظہور سے پہلے صفات کاملہ میں ان کی عین تھیں۔

عالم اور اس کے جملہ اجزا سب اعراض ہیں اور معروض صرف وجود ہے۔

اس عالم کے لئے تین مواطن ہیں۔ پہلے کو "تعین اولیٰ" کہتے ہیں اور اس میں (عالم کو) شیون سے موسوم کیا جاتا ہے۔ دوسرے "تعین ثانی" کہتے ہیں اور اس میں (عالم کو) کو اعیان ثانیہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ تیسرا خارج میں

ہے اور اس میں (عالم کو) اعیان خارجیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اعیان ثانیہ نے وجود کی بُو تک نہیں سونگھی، جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ اس کے احکام و آثار ہیں۔

قرب دو طرح کا ہے۔ ایک کو قرب نوافل اور دوسرے کو قرب فرائض کہتے ہیں۔

قرب نوافل سے مراد صفات بشری کا زوال اور صفات الٰہی کا ظہور ہے۔ اس طرح کہ اللہ کے حکم سے زندہ کرے اور مارے۔ اور اس سے سننا اور دیکھنا صرف کان اور آنکھ سے نہ ہو بلکہ پورے جسد سے سُنے اور دیکھے۔ اسی طرح آوازوں کو دور سے سن سکے۔ علیٰ ہذا القیاس سب صفات ہو جائیں۔ صفات بندہ کا اللہ تعالیٰ کی صفات میں فنا ہو جانا یہی ہے اور یہ نوافل کا ثمرہ ہے۔

قرب نوافل سے مراد یہ ہے کہ بندہ کلی طور پر تمام موجودات کے شعور سے حتیٰ کہ اپنے آپ کے شعور سے بھی فنا ہو جائے۔ یہ فنایت اس حد تک ہو کہ اس کی نظر میں سوائے وجود حق سبحانہ و تعالیٰ کے اور کوئی شے باقی نہ رہے۔ یہ معنی ہیں بندے کے اللہ میں فنا ہونے کے اور یہ ثمرہ ہے فرائض کا۔

وحدۃ الوجود کے قائلین میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو علم الیقین کے ساتھ یہ تو جانتے ہیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ، ظاہراً "وباطناً" تمام موجودات کی حقیقت ہے۔ لیکن یہ لوگ خلق میں خلق کا مشاہدہ نہیں کرتے۔

اور کچھ ایسے ہیں جو شہود قلبی کے ساتھ خلق میں حق کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ مرتبہ پہلے مرتبے سے اعلیٰ و افضل ہے۔

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو حق کا خلق میں اور خلق کا حق میں اس طرح مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک کو دیکھنا دوسرے کے دیکھنے میں مانع نہیں ہوتا۔ یہ آخری مرتبہ پچھلے دونوں مراتب سے اولیٰ و اعلیٰ ہے۔ یہ انبیاء کا مقام ہے اور ان

کی متابعت میں اقطاب کو بھی حاصل ہے۔

جو شخص شریعت اور طریقت کا مخالف ہو اس کے واسطے توان مذکورہ مراتب میں سے متوسط مرتبہ کا حاصل ہونا بھی محال ہے۔ چہ جائیکہ اسے آخری مرتبہ حاصل ہو جو سب سے افضل و اعلیٰ ہے۔

تمام موجودات بحیثیت تعین اس کا غیر ہیں۔ یہ غیریت اعتباری ہے۔ ورنہ تحقق کے لحاظ سے کل حق سبحانہ و تعالیٰ ہے۔ اس کی مثال حباب۔ موج اور برف کی ہے۔ اور یہ سب اپنے تحقق کے لحاظ سے پانی کا عین ہیں مگر تعین کی رو سے پانی کا غیر ہیں۔ اسی طرح سراب کی مثال ہے کہ اپنے تحقق کی حیثیت سے وہ عین ہوا ہے جب کہ بلحاظ تعین غیر ہوا ہے۔ سراب درحقیقت ہوا ہے جو پانی کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے۔

وحدۃ الوجود کے بارے میں بہت سے دلائل ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔

وللہ المشرق والمغرب فاینما تو لوافثم وجہ اللہ

اور اللہ ہی کے لیے مشرق و مغرب ہے۔ تم جدھر بھی اپنا رخ کرو گے اللہ کا چہرہ پاؤ گے۔

اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اور ہم اس سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

ایک اور جگہ یوں فرمایا ہے۔

اور تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔

اور ہم (بندے کی طرف) تم سے زیادہ قریب ہیں۔ لیکن تم دیکھ نہیں پاتے ہو۔

(اے رسول ﷺ) جو لوگ بیعت کرتے ہیں وہ (یقیناً) اللہ کی بیعت

کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

ایک دوسری آیت میں یوں فرمایا۔

وہ اول ہے اور وہ آخر، وہ ظاہر ہے اور وہ باطن اور وہ ہر شے کو جانتا ہے۔

ایک اور موقع پر ارشاد ہوتا ہے۔

اور تمہاری جانوں میں (نشانیاں ہیں) تو پھر کیا تم نہیں دیکھتے۔

پھر ایک جگہ فرمایا۔

اور جب میرے بندے تم سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں قریب ہوتا ہوں۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

اور (اے رسول ﷺ) تم نے (حربہ) نہیں پھینکا جب تم نے پھینکا۔ بلکہ اللہ نے پھینکا اور اللہ ہر شے کا احاطہ کرنے والا ہے۔

اسی طرح اور بھی آیات کریمہ ہیں جو وحدۃ الوجود پر دلالت کرتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی احادیث مبارکہ بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔

سب سے سچا کلمہ جو عرب نے کہا ہے وہ لبید کا یہ کلمہ ہے۔

کیا اللہ کے سوا سب کچھ باطل نہیں ہے؟ (یعنی باطل ہے)۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا۔

تم میں سے جب کوئی نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ ضرور اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے کیونکہ اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہے۔

ایک اور حدیث پاک میں آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اسے محبوب بنالیتا ہوں تو

میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں۔ جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے اور اس کی زبان جس سے وہ کلام کرتا ہے اور اس کے پاؤں، جن سے وہ چلتا ہے۔ پس اس کا سننا، دیکھنا، چلنا پھرنا اور دیگر سب کام مجھی سے ہوتے ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد کیا۔

حق تعالیٰ (قیامت کے دن) فرمائے گا کہ میں بیمار تھا تم نے میری عیادت نہ کی، میں بھوکا تھا تم نے مجھے روٹی نہ دی۔ میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ دیا...... وہ بندہ بارگاہ الٰہی میں عرض کرے گا کہ اے پروردگار! میں نے تجھے دنیا میں بیمار بھوکا اور پیاسا نہیں دیکھا تھا، ارشاد ہو گا کہ فلاں بیمار جس کی تو نے عیادت نہ کی، میں ہی تھا، فلاں بھوکا سائل جس کو تو نے کھانے کے لئے کچھ نہ دیا، میں ہی تھا اور فلاں پیاسا جس کو تو نے پانی نہ پلایا، میں ہی تھا۔

ترمذی نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس کے آخر میں آنحضرت ﷺ یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ اگر تم سب سے نچلی زمین پر رسی ڈالو تو وہ بالضرور اللہ تعالیٰ پر گرے گی۔ (یہ فرما کر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی)۔

وہ اول ہے اور آخر ہے اور ظاہر ہے اور باطن ہے اور ہر ایک کو خوب اچھی طرح سے جاننے والا ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی احادیث پاک ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے۔

وحدت اضافتوں اور نسبتوں کا ساقط ہونا ہے۔

وحدۃ الوجود کے بارے میں امان طریقت علیہم الرحمۃ کے اقوال اس

کثرت سے ہیں کہ ان کا شمار بھی مشکل ہے۔ اس لئے میں نے یہاں ان کا ذکر نہیں کیا اگر تمہیں یہ فرمودات جاننے کا شوق ہو تو ان بزرگوں کی کتابوں کا مطالعہ کرو۔ ان میں تمہیں یہ سب باتیں لکھی ہوئی مل جائیں گی۔

اے طالب! اگر تم واصل حق ہونے کا ارادہ رکھتے ہو تو سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ تم اپنے قول و فعل اور ظاہر و باطن میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اختیار کرو۔ پھر وحدۃ الوجود کا مراقبہ کرو۔ یہ عین کلمہ طیبہ کا معنی ہے۔ اس میں وضو کی شرط نہیں ہے۔ لیکن اگر وضو ہو تو بہتر ہے۔ اسی طرح وقت کی بھی تخصیص نہیں ہے اور نہ ہی سانس کے اندر آنے یا باہر جانے کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اس میں کلمہ طیبہ کے حروف کی بجائے صرف اس کے معانی کو ملحوظ رکھنا چاہئے اور ہر حالت میں ...... یعنی کھڑے یا بیٹھے یا لیٹے ہوئے چلتے پھرتے کھاتے پیتے۔ غرضیکہ ہر سکون و حرکت میں...... اس کام کو کرتے رہو۔

مراقبہ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تم اپنی انانیت (یعنی "میں" ہونا کی نفی کرو۔ انانیت کا مطلب تمہارا اپنی حقیقت اور اپنے باطن کو حق سبحانہ وتعالیٰ کا غیر جاننا ہے۔ بس اسی انانیت کی نفی کی جاتی ہے اور یہی معنی میں الا اللہ ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ جب "وجود" واحد ہے اور اس کا غیر سرے سے موجود ہی نہیں ہے تو پھر نفی کس کی اور اثبات کس شے کا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دوئی کا وہم حالانکہ سراسر باطل ہے۔ تاہم یہ خلق کے لئے پیدا تو کیا گیا ہے۔ لہٰذا تمہارے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس وہم کی نفی کرو اور اس کے بعد حق سبحانہ وتعالیٰ کو اپنے باطن میں ثابت کرو۔

اے طلب گار حق! جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے تم پر حال کا غلبہ ہو جائے گا تو تمہیں اپنی انانیت ...... جو ایک وہمی شے ہے...... کی نفی کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ بلکہ اس وقت تمہارے اور سوائے اثبات حق تعالیٰ شانہ، کے

اور کچھ باقی نہ ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی حرمت کے طفیل ہمیں اور تمہیں اس مقام کی توفیق عطا فرمائے۔

رسالہ تحفہ مرسلہ شریف (اردو ترجمہ) یہاں پر تمام ہوا۔

٭٭

اب ذیل میں مسئلہ وحدۃ الوجود کے متعلق افضل المدققین، فخر المحققین، اعتصام الحکماء، امام العرفا حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی رائے تحریر کی جاتی ہے۔

موصوف کے ان خیالات کا ماخذ آپ کی ایک تصنیف مسمی مکتوب مدنی ہے۔ جس کی وجہ تصنیف شاہ صاحب موصوف، مکتوب مدنی میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسمی اسماعیل بن عبداللہ رومی ثم المدنی نے مجھ کو ایک مکتوب لکھا جس میں مجھ سے مسئلہ وحدۃ الوجود کے اس تصور کے بارے میں دریافت کیا گیا جس کو شیخ اکبرؒ نے اور ان کے تابعین نے پیش کیا ہے، اور وحدۃ الشہود کی اس تشریح کی وضاحت چاہی ہے جس کا ذکر مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے نیز اس مکتوب میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ کیا دونوں بزرگوں کے نظریات میں تطبیق ممکن ہے۔

اس مکتوب کا جو جواب حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ العزیز نے تحریر فرمایا۔ وہ "مکتوب مدنی" کے نام سے طبع ہوا ہے اور یہ مندرجہ ذیل اقتباس اسی "مکتوب مدنی" سے ماخوذ ہے۔

شاہ صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود الفاظ ہیں جن کا اطلاق اصل مختلف معانی پر ہوتا ہے۔ کبھی ان کا استعمال "سیر الی اللہ" کے مباحث میں

ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص وحدۃ الوجود کے مقام پر فائز ہے اور
فلاں سالک وحدۃ الشہود کے مسلک پر گامزن ہے۔

اس سباق میں وحدۃ الوجود کے معنی ایسے شخص کے ہوں گے جو حقیقت جامعہ کی تلاش و عرفان میں گم اور مستغرق ہے۔ استغراق کا یہ وہ مقام ہے جہاں یہ عالم رنگ و بو اپنے تمام اختیارات کے ساتھ فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے اور تفرقہ و امتیاز کے وہ سارے احکام ساقط ہو جاتے ہیں جن پر خیر و شر کی معرفت کا دارومدار ہے اور شریعت و عقل جس کی پوری پوری نشاندہی کرتی ہے۔ سیر و سلوک کا یہ مقام محض عارضی ہوتا ہے سالک چندے یہاں ٹھہرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی دستگیری و توفیق اس کو جلد ہی اس مقام سے نکال لے جاتی ہے۔

اسی طرح وحدت الشہود کے معنی اس سیاق میں یہ ہوں گے کہ سالک ایسے مقام پر متمکن ہے جہاں احکام جمع و تفرقہ کے رشتے باہم ملے ہیں۔ یعنی سالک اس حقیقت کے پالینے میں کامیاب ہو گیا ہے کہ اشیاء میں جو وحدت سی نظر آتی ہے من وجہ ہے اور کثرت جو اس کے متبائن محسوس ہوتی ہے وہ بھی من وجہ ہے۔ معرفت و سلوک کا یہ مقام پہلے مقام سے نسبتاً زیادہ اونچا ہوتا ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی اس اصطلاح کو ہم نے حضرت شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اتباع سے لیا ہے۔

نیز حادث و قدیم میں رابطہ اور تعلق کی کونسی نوعیت کارفرما ہے اس کے بارے میں بھی دو نقطہ نظر پائے جاتے ہیں۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ عالم جو اعراض مختلفہ کا ہدف اور نشانہ ہے۔ اس کی تہہ میں ایک ہی حقیقت جاری اور ساری ہے۔

دوسرا گروہ حادث و قدیم کے مابین ربط و تعلق کو اس طرح استوار کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ عالم دراصل اسماء و صفات کے ان عکوس و ظلل سے

تعبیر ہے کہ اعدام متقابلہ آئینوں میں ارتسام پذیر ہوتے ہیں۔ پہلا نقطہ نظر وحدۃ الوجود کی ترجمانی کرتا ہے اور دوسرا وحدۃ الشہود کی۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہمارے خیال میں کشف پر مبنی یہ دونوں نتائج صحیح ہیں۔

بعد ازاں شاہ صاحب موصوف نے کلام پاک کی آیات مقدسہ اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں ان مسائل کے تمام متعلقہ اُمور اور مباحث کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے جن کو طوالت کے خوف سے اس جگہ بیان نہیں کیا گیا۔

اس تمام بحث و تمحیص کے بعد آخر میں شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں۔ "اگر تم مجھ سے صحیح صحیح بات دریافت کرو تو میں کہوں گا کہ جہاں تک ذات الٰہی کا تعلق ہے وہ اس سے بالاو منزہ ہے کہ خارج یا اعیان میں پائی جائے اس لئے کہ خارج تو خود نفس رحمان سے تعبیر ہے اور اعیان میں پائی جائے اس لئے کہ خارج تو خود نفس رحمان سے تعبیر ہے اور اعیان اس کی ذات پر دلالت کناں ہیں۔ یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم تجلی ہے جس کا تعلق خارج سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں جب یہ کہا جاتا ہے کہ وہ خارج یا عماء میں موجود ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے ایسی تجلی عظیم کے تحقق کے بعد خارج یا اعیان کو اپنے وجود سے نوازا ہے۔ یہ اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کے اس سوال کے جواب میں کہ اللہ تعالیٰ تخلیق سے پہلے کہاں تھا، ارشاد فرمایا۔

-- **کان فی عماء مافوقہ و ماتحتہ ہواء** یعنی خدا لا مکان میں تھا۔

اب میں ذیل میں مسئلہ وحدۃ الوجود کے اثبات و جواز کے متعلق بقیہ السلف حجۃ الخلف، شیخ المدققین، امام المحققین، شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات بیان کرتا ہوں جو اس مسئلہ میں محاکم کا مقام رکھتے ہیں۔

یہ مضمون حضرت شاہ صاحب موصوف کی ایک تصنیف سے ماخوذ ہے
جس کا نام "فیصلہ شاہ صاحب دہلوی نسبت توحید وجودی" ہے اس کتاب کی وجہ
تصنیف یہ بیان کی گی ہے کہ علاقہ حصار میں مولوی نور محمد نے قطب دوراں
حضرت مولانا شاہ محمد رمضان رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر قائلین توحید وجودی پر کفر کا
فتویٰ دے دیا۔ اور تحریر و تقریر کے ذریعے اولیائے سلف اور قائلین توحید وجودی
کی حد سے زیادہ توہین کی۔

۱۲۳۵ھ میں حضرت مولانا شاہ رمضانؒ مولوی نور محمد کو اپنے ہمراہ
لے کر دہلی گئے اور شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کو دونوں نے حکم تسلیم کیا۔

حضرت شاہ صاحب موصوف نے طرفین کے خیالات سننے کے بعد
فیصلہ تحریر فرمایا۔ جس میں مولانا شاہ محمد رمضان قائل وحدۃ الوجود کو عالم حقانی اور
مسئلہ توحید وجودی کو صحیح تسلیم فرمایا اور مولوی نور محمد کے خیالات فاسدہ کی تردید
فرما کر انکار توحید وجودی اور بزرگان دین کو برا کہنے سے توبہ لی اور اس مشکل مسئلہ
کو اچھی طرح سمجھا دیا اور تسلیم کرالیا کہ یہ حق ہے۔

شاہ صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ صوفیہ قدس اللہ اسرارہم نے یہ
لکھا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں یکتا، وحدہ لاشریک لہٗ ہے، بسیط ہے
یعنی ترکیب و اجزاء سے پاک ہے، موجودات میں اس کا ظہور ایسا ہے جیسا دریا کہ
وہ ایک چیز ہے مگر بے تعداد موجوں میں دریا کا ظہور پایا جاتا ہے۔ باوجود بے تعداد
اور کثرت امواج کے دریا بدستور ایک ہی چیز ہے اس تعداد امواج سے دریا کے
توحد میں فرق نہیں آیا ہے۔ اگر دریا میں موجیں بلا تعداد پیدا ہوں یا حباب یعنی بلبلے
بکثرت آشکارا ہوں یا برف کے ٹکڑے ہزارہا جم جائیں تو ہر چند موج یا حباب یا برف
نام دوسرا ہے مگر فی الواقع وہی دریا اور دریا کا پانی ہے موجیں، بلبلے اور برف کے ٹکڑے
دریا ہی میں پیدا ہوتے ہیں پھر اس میں مل جاتے اور فنا ہو جاتے ہیں۔ دریا کو امواج

کے ساتھ معیت ذاتیہ ہے۔ پس اللہ کریم کا مخلوقات کا پیدا کرنا اپنی حقیقت مطلقہ کا مختلف اور متعدد صورتوں میں ظاہر کرنا ہے اس واسطے قرآن پاک میں فرمایا۔

اللہ نور السموٰت والارض یعنی اللہ آسمانوں اور تمام زمین کا نور ہے۔ نور وہ ہے کہ بذات خود ظاہر ہو۔ ظہور اس کا مستقل ہو دوسری چیز کا محتاج نہ ہو۔ دیگر اشیاء اس کے سبب سے ظاہر ہوں۔ اگر نور نہ ہو تو وہ عدم کے ظلمات میں معدوم ہوں لہٰذا فی الواقع موجود بوجود حقیقی بجز واجب الوجود کے اور کوئی چیز نہیں وہی آسمان میں معبود ہے وہی زمین میں معبود ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے۔

وھو الذی فی السماء الہ وفی الارض الہ دوسرے مقام پر اپنے کلام قدیم میں فرماتا ہے۔ اینما تولو افثم وجہ اللہ یعنی جس طرف منہ پھیرو وہی معبود برحق اور وجود مطلق موجود ہے۔ حدیث قدسی میں یہاں تک آشکارا فرمایا۔ جعت فلم تطعمنی یعنی طالب نادان میں بھوکا تیرے سامنے آیا یعنی مظہر اتم انسان خلیفہ الرحمٰن میں ظہور کیا مگر تم نے کھانا نہ دیا۔

غرض معبود برحق ہی موجود حقیقی ہے اور تمام موجودات کا مخلوقات کا وجود انتزاعی ہے اور اعتباری ہے۔ مثلاً سیاہی سے نقوش اور حروف قسم قسم کے لکھے جاتے ہیں اور نقوش اور حروف کے نام جدا جدا ہیں مگر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حقیقت میں ان تمام نقوش اور حروف کی سیاہی ہی سیاہی ہے ان کی غیر نہیں اور یہ سیاہی سے بھرا نہیں۔ کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے۔

ہر نقش کہ بر تخت ہستی پیدا است ‏ ‏ ‏ آں صورت آں کس است کاں نقش آراست
دریائے کہن کہ برزند موج نو ‏ ‏ ‏ موجش خوانند در حقیقت دریاست

مولانا شاہ عبدالعزیز بحوالہ جامع الاصول یہ حدیث شریف نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کلام پاک کی یہ آیت پڑھتے ہوئے۔ ان اللہ یامرکم ان تودو الامانات الی

اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان اللہ نعما یعظکم به ان اللہ کان سمیعا بصیرا کے الفاظ پر پہنچے تو انگوٹھا شریف کان پر رکھ لیا اور انگشت شہادت حضور ﷺ نے اپنی آنکھ مبارک پر رکھ لی اس کی تفسیر میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم ﷺ کے اس عمل سے اشارہ ہو گیا اس طرف کہ اللہ کریم اپنی تجلی میں کان سے سنتا اور آنکھ سے دیکھتا ہے یعنی وہ خود کان اور آنکھ جسمانی سے پاک ہے مگر انسان جو مظہر رحمٰن ہے اور اس نے مظہر خاص میں تجلی فرمائی ہے اس مظہر کا سننا دیکھنا اسی کا سننا اور اسی کا دیکھنا ہے۔ مثلاً جب حضور نبی اکرم ﷺ نے کفار پر کنکریاں پھینکیں سب کی آنکھوں میں پڑیں اور وہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مقابلہ سے بھاگ نکلے۔ اور دوسری جگہ کلام پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **مارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمی**. یعنی اے حبیب ﷺ کفار پر جب آپ نے کنکریاں پھینکیں وہ آپ نے نہیں پھینکیں بلکہ فی الواقع اللہ یعنی ہم نے پھینکیں۔

پس ممکنات کی ذوات و صفات و افعال مستعار اور امانت ہیں اصلی اور حقیقی وجود ذوات و صفات و افعال میں اسی کا ہے، وہ اللہ پاک اپنی سمع ذاتی سے سنتا ہے اور اپنی ذاتی بینائی سے دیکھتا ہے وہ اپنے مرتبہ میں معبود بر حق ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مولوی نور محمد منکر توحید کو دیگر آیات سے توحید وجودی کا ثبوت بتلایا گیا۔ اس مضمون کو مولانا موصوف نے نص قرآنی اور احادیث نبوی کی روشنی میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

آخر میں شاہ صاحب حوالہ کیمیائے سعادت اور ملتقط تحریر فرماتے ہیں کہ توحید کے چار درجے ہیں پہلے درجہ میں صرف زبان سے لا الہ الا اللہ کہتے ہیں اس میں تو منافق بھی شامل ہیں اور اس قسم کی زبانی توحید قابل التفات نہیں۔

دوسرا درجہ توحید کا وہ ہے کہ جس میں زبان سے اقرار کے سوا دل سے بھی توحید کی تصدیق اور اس پر یقین ہو۔ شرع شریف میں اس کا اعتبار ہے اور عام اہل اسلام دل سے اس پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ وحدۃ لاشریک لا یکتا ہے۔

تیسرا درجہ توحید کا یہ ہے کہ اعتقاد کے علاوہ مکاشفہ سے بھی توحید کا مقام کھل گیا ہو اگرچہ ظاہر میں بہت اشیاء نظر آتی ہیں مگر سب میں نور حق کی سرایت نظر آتی ہے۔ اور الواحدۃ فی الکثرۃ کا مضمون دکھائی دیتا ہے۔ یہ مقام مقربین کا ہے۔

چوتھا درجہ توحید کا جو اعلیٰ درجہ ہے وہ یہ ہے کہ بجز ایک ذات کے جس کا وجود حقیقی ہے اور واجب الوجود ہے دوسری اشیاء ماسوی اللہ کے موجود ہی نظر نہ آئیں کیونکہ وہ ظلال اور عکوس ہیں موجود بوجوہ حقیقی ہونے کے عکسی اور ظلی وجود ایسے شخص کو جس کی بصر بصیرت حق بین ہو نظر نہ آئے گا۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے ان تمام سوالات و شکوک کا نہایت مدلل تفصیلی جواب دیا ہے جو اس سلسلہ میں پیدا ہوتے ہیں۔

مسئلہ وحدۃ الوجود کے متعلق مولانا اسماعیل دہلوی صاحب تصنیف "تقویت الایمان" نے اپنی تصنیف "عبقات" میں بڑے شرح و بطس کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور اس مسئلہ کے جواز میں دلائل دیے ہیں بلکہ موصوف نے تو عبقات کی حمد باری تعالیٰ ان الفاظ سے شروع کی ہے۔

پاک ہے وہ ذات جو اپنی صفت ظہوری کی وجہ سے پوشیدہ ہو گیا اور اپنے نور کے حجاب میں مستور ہے (ان الفاظ سے وجود منبط کے نظریہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہی وجود منبط قائلین وحدۃ الوجود کا نقطہ مرکزی ہے) آگے لکھتے ہیں وجود میں بھی اور قدیم ہونے میں بھی وہ یکتا ہے اور نیستی سے اس نے اشیاء کی آفرینش کی۔ آسمانوں اور زمینوں کو اس نے پیدا فرمایا اور سارے جہانوں کے اندر جو کچھ بھی

ہے سب کو اس نے درست کیا۔ عظمت اور کبریائی کی چادر اس نے اوڑھ لی اور عزت و سربلندی کا لباس زیب تن فرمایا (ان دونوں متصل فقروں میں لاہوت سے وجود منبسط کے حالات کی طرف ایما کیا گیا ہے)۔

اپنی تسبیح اس منہ سے ادا کر رہا ہے جو موجود ہے اور ہستی کے آئینہ میں اس کے چہرہ کا جمال جھلک رہا ہے (ان فقروں میں باطن الوجود کی بحث کی طرف اشارہ ہے جس کو وحدایت کہتے ہیں)۔

وجود میں اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں ہے (اس سے مقام وحدت کی طرف اشارہ ہے)۔

عبقات کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب موصوف شیخ اکبرؒ کے بڑے مداح ہیں اور ان کے تبحر علمی کے بے پناہ قائل ہیں، لکھتے ہیں کہ عبقات کی تصنیف سے ان فوائد سے بھی مستفیض ہونے کا موقع ملا جس میں اس سمندر بے کراں متبحر علام رئیس الجماعۃ نے ظاہر فرمایا ہے جو شیخ اکبرؒ کے نام سے دنیا میں مشہور ہیں۔

☆

قائد و شیخ

اور جو طبقہ صوفیہ کے قائد و شیخ اور پیشوا ہیں۔

شاہ صاحب عبقات کے صفحہ ۱۹ پر تحریر کرتے ہیں، کتنا بڑا جاہل تھا وہ شخص جس نے یہ خیال ظاہر کیا کہ صوفیہ میں وجودیہ کے نام سے جو طبقہ موسوم ہے یہی سوفسطائیہ کا گروہ ہے۔

صفحہ ۲۰ پر لکھتے ہیں کہ تمام امکانی حقائق جن کا ظہور اس عالم میں ہو رہا

ہے، یہ ایک واحد وجود کے ساتھ موجود ہے، اور سارے ظلال کا قیام وبقاء و قرار و ثبات ایک ہی قیوم کے ساتھ ہے اور اس بجاد پر یعنی (قیوم سب کا ایک ہی ہے) یہ بھی ماننا پڑے گا کہ کائنات کی تمام قوتیں اور شخصیتیں اپنی ذات کے حساب سے تو ایک ہیں لیکن اپنی ماہیتوں کے لحاظ سے مختلف ہیں مثلاً کرسی، تخت اور میز جب لکڑی سے بنائی جائیں گی تو ظاہر ہے کہ ذات تو سب کی لکڑی ہی ہوگی جو ان کی قیوم ہے البتہ کرسی کی ماہیت تخت سے اور تخت کی میز سے مختلف ہوگی۔

مولوی اسماعیل صاحب دہلوی، عبقات کے صفحہ ۴۰ پر تحریر کرتے ہیں کہ وجہ اللہ کا وہ نور جس سے ساتوں آسمان و زمین جگمگا رہے ہیں اصطلاحاً اس کا نام وجود منبسط یعنی پھیلا ہوا وجود ہے یہی ذات حق کا وہ حجاب ہے کہ اگر اس پردہ کو اٹھا دیا جائے تو خدا کے چہرے کی چمک اور دمک ان ساری چیزوں کو جلا کر راکھ کر دے گی جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی ہے یہی خدا کی رحمت کا وہ دریا ہے جو ہر چیز کو محیط ہے وہ خالص نور اور صرف ظہور ہے۔

اب ذیل میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کے خیالات مسئلہ وحدۃ الوجود کے متعلق لکھے جاتے ہیں۔ مولانا نانوتوی صاحب اپنی تصنیف جمال قاسمی میں لکھتے ہیں۔

لفظ وحدۃ الوجود یوں تو ہر خاص و عام کی زبان پر چڑھا ہوا ہے، اس ایک لفظ کو دیکھا تو باعتبار مذاق و فہم کہیں اس لفظ کے کچھ معنی ہیں اور کہیں کچھ معنی ہیں۔ اہل حال اور جو ان کے کلام کو بے سوچے تصدیق کرتے ہیں تو وہ وحدۃ الوجود بولتے ہیں اور وحدۃ موجودات مراد لیتے ہیں اور جو لوگ الفاظ سے موافق ہدایت دلالت وضعی معانی تک پہنچتے ہیں ان کے یہ معنی کب پسند آئیں گے۔ وہ تو وحدۃ وجود ہے۔ وحدانیت صفت وجود ہی مراد لیں گے۔ وحدت موجودات یعنی موصوفات بالوجود ہرگز اس لفظ سے نہیں سمجھ سکتے۔

جب یہ بات ذہن نشین ہو گئی تو اس نیاز مند کی بھی سنئے وحدۃ موجودات تو حال ہے اور وحدۃ وجود حقیقۃ الحال۔ اول فقط شہود اور مشاہدہ حال سے متعلق ہے واقعیت سے اسے کچھ علاقہ نہیں اور اس لئے اس وحدۃ الوجود کو اگر وحدت شہود کہیئے تو بجا ہے اور وحدۃ وجود بمعنی اتحاد (صفت وجود امر واقعی خارجی معلوم ہوتا ہے۔ اس کا مشاہدہ تو ان لوگوں کا کام ہے جو مغلوب الحال نہیں اور اس لئے ان کو ابن الحال نہیں کہہ سکتے خطاب ابو الحال ان کو مناسب ہے۔ پر استدلال ہم سے خستہ حال بھی اس مضمون تک پہنچ سکتے ہیں۔ اس نارسائی پر اتنی رسائی تو ہم سے گنہگاروں کو بھی حاصل ہے کہ تمام صفات کا پھیلاؤ عالم میں اور عروض ہے۔

اس کے بعد مولانا موصوف نے بڑے پر مغز دلائل کے ساتھ اس معمہ کی شرح کی ہے۔ اختتام پر تحریر کرتے ہیں۔

الحاصل وحدت و موجودات ایک امر مشہور ہے واقعی نہیں، لیکن وحدۃ وجود امر واقعی ہے۔

اب ذیل میں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و خیالات مسئلہ وحدۃ الوجود کے متعلق تحریر کیے جاتے ہیں۔ جن کا ماخذ مولانا موصوف کا ایک رسالہ مسمی بنام تاریخی "کشف حقائق واسرار ودقائق" ہے جس کی وجہ تصنیف رسالہ مذکورہ میں یہ تحریر کی گئی ہے کہ حضرت عظیم المرتبت جناب صاحب والا مناقب نواب سید نور الدین حسین خاں صاحب بہادر رئیس اعظم ریاست بروڈہ نے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت والجماعت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مندرجہ ذیل اشعار کہہ کر بھیجے اور ان کے معانی دریافت کیئے جن کے جواب میں مولانا نے یہ رسالہ تصنیف فرمایا۔ وہ اشعار مندرجہ ذیل ہیں جو تعداد میں ۹ ہیں۔

(۱) سب پیر لور مشائخ میرا سوال بولو — صورت جلال کیا ہے اور کیا جمال بولو
(۲) خاکی بدن مقید کیونکر جمال حق کا — مطلق کی شان کیا ہے اس کی مثال بولو
(۳) مخفی میں کیونکر تھا وہ سری میں کس طرح تھا — پھر روح کیوں ہوا ہے دل کا خصال بولو
(۴) اربع عناصر اب یوں نکلے کہو کہاں سے — مرتا سو کون اس میں کس کو وصال بولو
(۵) اول ہے روح علوی دوسری کا نام سفلی — ایک روح دو صفت کیونکر پکڑا کمال بولو
(۶) رکھتا ہے جو خاکی آنکھوں سے سب فنا — دکھتا ہے کس نظر سے دو جگ اجال بولو
(۷) ہر چیز ذات حق سے معمور ہے لیکن — ملتا ہے کس محل میں ابرو ہلال بولو
(۸) سب جسم ہے محمد موجود و ذات حق ہے — اسلام اور کفر کا پردہ سنبھال بولو
(۹) نکتہ نہیں علم کا قرآن میں سمایا — معنی علم کے نکتہ کے اب محال بولو

اب ذیل میں مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ صرف ان اشعار کا مطلب تحریر کیا جارہا ہے جن میں موصوف نے مسئلہ وحدۃ الوجود پر روشنی ڈالی ہے۔

دوسرا شعر ہے ؎

خاکی بدن مقید کیونکر جمال حق کا — مطلق کی شان کیا ہے اس کی مثال بولو

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اس شعر کا مطلب یوں بیان فرماتے ہیں۔

"الجواب۔ اس کی ایک ظاہری مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ جیسے آفتاب کا نور اپنی ذات میں ایک ہے نہ اس میں صورتوں کا اختلاف ہے نہ قوت و ضعف کا فرق ہے، نہ جدا جدا رنگ ہیں نہ متعدد نام ہیں وہی نور واحد پہلی شب کے چاند پر پڑا اور یہاں یہ صورت پیدا کی کہ اس کا نام ہلال ہوا اور پھر ہر روز نئی صورت اور زیادہ ترقی و قوت ہوتی رہی۔

شب چہارم دہم اسی نور سے بدر کی صورت پیدا ہوئی پھر اس میں ضعف آتا گیا۔ یہاں تک کہ فنا ہو گیا۔ وہی نور آئینہ مصفا پر پڑے تو کیسی جھلک دیتا ہے

کہ نگاہ خیرہ وحیران اور دیواروں پر عکس نمایاں ہو اور صفائی آئینہ میں کمی ہے تو نور میں کمی اور زمین پر پڑنے میں وہ بات کوسوں نہیں۔ کوئلوں وغیرہ سیاہ، بے تابش چیزوں میں ایک ظہور کے سوا اور کچھ اثر نہیں ہوتا۔ وہی ایک نور ہے کہ جب قریب افق جانب مشرق سے طولانی شکل پر چمکتا ہے اس کا صبح اول نام رکھتے ہیں پھر جب پھیلتا ہے وہی صبح صادق ہوتی ہے پھر جب سرخی لاتا ہے وہی شفق ہے جب سورج نکل آتا ہے وہی دھوپ ہے۔ یونہی بعد غروب اس کے ظہور کے تفاوت ہیں، تو دیکھو ایک آفتاب کو تجلی اور اتنے اختلاف اور ہر حالت کے اعتبار سے اس کے جدا نام ہیں اور جدا اوصاف، باینہمہ وہ ور اپنی ذات میں کیا ہے۔

اس میں کوئی تغیر نہیں نہ وہ صبح اول کے وقت طویل ہو گیا تھا نہ صبح ثانی کے وقت چوڑا نہ شفق کے وقت اس نے سرخ لباس پہنا نہ دن نکلتے زرد یا سفید نہ ہلال پر چمکتے وقت کمان ہو گیا تھا نہ بدر پر پڑتے بشکل دائرہ نہ آئینہ پر چمکتے وقت قوت پائی تھی نہ زمین پر آتے ہوئے ضعف۔ مگر یہ سب اختلاف تغیر مظاہر میں ہیں جن کے باعث اس شے واحد کی اتنی تعبیریں اور اسی قدر حالتیں ہو گئیں۔

پس یہی مثال نور مطلق ذات باری تعالیٰ عزوجل کی سمجھنا چاہیئے کہ واحد حقیقی ہے تغیر واختلاف کو اصلاً اس کے سراپردہ عزت کے گرد بار نہیں پر مظاہر کے تعدد سے یہ مختلف صورتیں بے شمار نام بے حساب آثار پیدا ہیں جنہیں ہم عالم نام رکھتے ہیں۔ یہ ظاہری تفہیم کے لیے ایک بہت ناقص وناکارہ وناتمام مثال ہے۔ واللہ المثل الاعلی اس سے زائد بیان سے باہر اور مرتبہ عقل سے وراء ہے۔

(۸) آٹھواں شعر۔

سب جسم ہے محمدؐ موجود ذات حق ہے
اسلام اور کفر کا پردہ سنبھال بولو

اس کے بعد اعلیٰ حضرت قدس سرہ آٹھویں شعر کے جواب میں فرماتے

ہیں حدیثوں سے ثابت ہے کہ اللہ عزوجل تمام عالم نور حضرت سید العلمین ﷺ ہے پس مرتبہ ایجاد میں بس وہی وہ ہیں۔

اور مرتبہ وجود میں صرف حق عزوجل ہے کہ ہستی حقیقتاً اس کی ذات پاک سے خاص ہے۔ وحدۃ وجود کے جس قدر معنٰی عقل میں آسکتے ہیں یہی ہیں کہ وجود واحد موجود واحد باقی سب مظاہر ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاء وجود ہستی سے بہرہ نہیں رکھتے **کل شئی ھالك الا وجھه** اور حاشا یہ معنٰی ہرگز نہیں کہ من و تو زید و عمر ہر شے خدا ہے یہ اہل اتحاد کا قول ہے جو ایک فرقہ کافروں کا ہے اور پہلی بات اہل توحید کا مذہب جو اہل اسلام و ایمان حقیقی ہیں یہی کفر و اسلام کا پردہ سنبھالتا ہے۔

نیز مولانا موصوف کے ملفوظات بنام "الملفوظ" میں مولوی عبد العلیم صاحب صدیقی میرٹھی نے مولانا سے سوال کیا۔ "کہ وحدۃ کے معنٰی کیا ہیں"۔

جواباً ارشاد فرمایا۔

وجود ہستی بالذات واجب اللہ تعالیٰ کے لئے اس کے سوا جتنی موجودات ہیں سب اس کی ظل، پرتو ہیں تو حقیقتاً وجود ایک ہی ٹھہرا۔

پھر صدیقی صاحب نے سوال کیا کہ اس کا سمجھنا تو کچھ دشوار نہیں۔ پھر یہ مسئلہ اس قدر کیوں مشکل مشہور ہے؟"

جواباً ارشاد فرمایا۔

اس میں غور، تامل یا موجب حیرت ہے یا باعث ضلالت۔ اگر اس کی تھوڑی سی بھی تفصیل کروں تو کچھ سمجھ میں نہ آئے گا بلکہ اوہام کثیر پیدا ہو جائیں گے۔ اس کے بعد کچھ مثالیں بیان فرمائیں ان میں صرف ایک یاد رہی، مثلاً روشنی بالذات آفتاب و چراغ میں ہے۔ زمین و مکان اپنی ذات میں بے نور ہیں مگر بالعرض آفتاب کی وجہ سے تمام دنیا منور اور چراغ سے سارا گھر روشن ہوتا ہے۔

ان کی روشنی انہیں کی روشنی ہے ان کی روشنی ان سے اٹھالی جائے وہ ابھی تاریک محض رہ جائیں گے۔

صدیقی صاحب نے عرض کیا یہ کیوں کر ہوتا ہے کہ ہر جگہ صاحب مرتبہ کو اللہ ہی اللہ نظر آتا ہے ؟

ارشاد فرمایا۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جو شخص آئینہ خانہ میں جائے وہ ہر طرف اپنے آپ ہی کو دیکھے گا۔ اس لیے کہ وہی اصل ہے اور جتنی صورتیں ہیں سب اس کا ظل ہیں مگر یہ صورتیں اس کی صفات ذات کے ساتھ متصف نہ ہوں گی اس لئے کہ یہ صورتیں صرف اس کی سطح ظاہری کی ظل ہیں ذات کی نہیں۔ اور سمع وبصر ذات کی صفتیں ہیں۔ سطح ظاہری کی نہیں۔ لہٰذا جو اثر ذات کا ہے وہ ان ظلال میں پیدا نہ ہو گا بخلاف حضرت انسان کے کہ ظل ذات باری تعالیٰ ہے لہٰذا اظلال صفات سے بھی حسب استعداد بہرہ ور ہیں۔

مولف "الملفوظ" مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان صاحب نے عرض کیا حضور یہ اب بھی سمجھ میں نہیں آیا وہ ہر جگہ خدا کیونکر دیکھتے ہیں۔ اگر ان ظلال و عکوس کو کہا جائے تو یہ اتحاد ہے وحدت نہیں اور اتحاد کھلا الحاد اور زندقہ ہے اور اگر یہ ظلال وعکوس کو نہیں دیکھتے بلکہ انہیں عدم محض میں ملاتے ہیں۔ ایک اللہ کا جلوہ نظر آتا ہے۔ تو یہ خود بھی ایک ظل ہیں یہ بھی معدوم ہوئے، نہ ناظر رہا نہ نظر پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے کیا معنیٰ وہ اس سے پاک ہے کہ کوئی نظر اسے احاطہ کرے۔ وہ سب کو محیط ہے نہ کہ محاط۔ یہ میرا ایمان ہے کہ قیامت میں انشاء اللہ تعالیٰ دیدار الٰہی سے ہم مسلمان فیض یاب ہوں گے۔ مگر یہ نہیں سمجھ سکتا کہ روایت کیوں کر ممکن ہے جب کہ احاطہ نا ممکن۔ اگر یہ کہا جائے کہ منظور کو نظر کا محیط ہو جانا کچھ ضرور نہیں۔ مثلاً فلک ہے کہ اس کا ایک حصہ انسان کی نظر میں سما

سکتا ہے۔ جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے تو یہ تقریر وہاں جاری نہیں کہ وہ تجزی سے پاک ہے میں اپنا مافی الضمیر اچھے طور پر ظاہر نہ کر سکا۔ مگر یہ جانتا ہوں کہ حضور میرے ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ سے میرا مطلب خیال فرمالیں گے۔

جواباً ارشاد فرمایا۔ ظلال و عکوس مرات ملاحظہ ہیں۔ مرات کا مرئی سے متحد ہونا کیا ضرور۔ علم بالوجہ میں وجہ مرات ملاحظہ ہوتی ہے۔ حالانکہ ذوالوجہ سے متحد نہیں بلاشبہ آئینہ میں جو اپنی صورت دیکھتے ہو کیا اس میں کوئی صورت ہے۔ نہیں بلکہ شعاع بصری آئینہ پر پڑ کر واپس آتی ہے اور اس رجوع میں اپنے آپ کو دیکھتی ہے۔ لہٰذا داہنی جانب بائیں اور بائیں جانب داہنی معلوم ہوتی ہے تو آئینہ تمہارا عین نہیں مگر دکھایا اس نے تمہیں کو۔ ظلال اپنی ذات میں معدوم ہیں کہ کسی کی ذات مقتضی وجود نہیں۔ **کل شئی هالك الا وجهه** مگر وجود عطائی سے ضرور موجود ہیں۔

اسلام کا پہلا عقیدہ ہے کہ **حقائق الا شیاء ثابتہ** نظر سے ساقط ہونا واقع ہے، عدم نہیں کہ نہ ناظر رہے نہ نظر فی الواقع اس مشاہدہ میں خود اپنی ذات بھی ان کی نگاہ میں نہیں ہوتی۔ اہلسنت کا ایمان ہے کہ قیامت و جنت میں مسلمانوں کو دیدار الٰہی بے کیف و بے جہت و بے محاذات ہو گا۔ **وجوه یومئذ ناضرة الی ربها ناظرہ** کچھ منہ تروتازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے ہوئے۔" کفار کے حق میں فرماتا ہے **کلاانهم عن ربهم یومئذ محجوبون** ○ بے شک اس دن اپنے رب سے حجاب میں رہیں گے۔ کافروں پر عذاب بیان فرمایا گیا تو ضرور مسلمان اس سے محفوظ ہیں۔ بصر احاطہ نہیں چاہتی آیۃ کریمہ **لاتدرك الابصار وهویدرك الابصار** ○ بڑی مفاد ہے کہ وہ ابصار و جملہ اشیاء کا محیط ہے۔ اسے بصر اور کوئی شے محیط نہیں۔ فلک وغیرہ کی مثالیں اس کے بیان کو ہیں کہ بصر کو احاطہ معاذ اللہ اس طرح کا ہے وہاں بمعنی عدم ادراک حقیقت و کنہ ہی رہا یہ

کہ "رویت کیونکر" یہ کیف سے سوال ہے وہ اور اس کی رویت کیف سے پاک ہے پھر کیونکر کو کیا دخل"۔

اب میں جناب پروفیسر سلیم چشتی صاحب کے افکار و خیالات اس مسئلہ کے بارے میں تحریر کرتا ہوں موصوف نے علامہ اقبال مرحوم کے جاوید نامہ کی شرح میں ان کے کلام کی تشریح کے سلسلہ میں اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر نہایت پر مغز دلائل براہین کے ساتھ سیر حاصل بحث کی ہے اور بڑے محققانہ انداز میں تبصرہ فرمایا ہے۔

اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ موصوف نے کلام پاک کی نصوص اور آیات قرآنی کی روشنی میں اس مسئلہ کے جواز کو ثابت کیا ہے اور عالمانہ دلائل سے اپنے اس دعویٰ کو صحیح ثابت کر دیا ہے کہ اسلامی تصوف یعنی مسئلہ وحدۃ الوجود قرآنی تعلیم کے ہرگز خلاف نہیں ہے اور بڑے کمال کی بات یہ ہے کہ اس قدر دقیق اور پیچیدہ مسئلہ کی تشریح کا اسلوب بیان اتنا سادہ اور سہل ہے کہ خواص تو درکنار عوام الناس بھی اگر ذرا غور اور توجہ سے پڑھیں تو بڑی آسانی سے اس کے مفہوم کو سمجھ سکتے ہیں اور یہ حقیقتاً انہیں کا حصہ ہے۔

چشتی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ لفظ وجود کو دو معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

۱۔ وجود کا ایک تو مصدری مفہوم ہے (جس کا ترجمہ بودن، ہستی یا ہونا ہے) کیا جاتا ہے اور یہ مصدری مفہوم تمام مفاہیم مصدریہ کی طرح ایک اعتباری مفہوم ہے اور ان معقولات ثانیہ میں سے ہے جو طرف خارج میں منشاء کے سوا کچھ نہیں ہے، ہاں تصور ذہنی کے اعتبار سے اشیاء کو عارض ہوتا ہے، حکماء اور متکلمین نے اسی مفہوم مصدری کے پیش نظر وجود کو اعتباری قرار دیا ہے۔

۲۔ وجود کا دوسرا مفہوم وہ حقیقت ہے جو بذات خود احتیاج و افتقار، بلا حلول و

قیام، بلا مکان و زمان موجود ہے اور اس کا وجود عین ذات ہے یعنی باصطلاح حکماء، وہ وجود واجب لذاتہ ہے اور تمام موجودات خارجیہ (تمام اشیاء) اس کی وجہ سے اور اسی کی جانب انتساب کی بدولت موجود ہیں یعنی ممکنات کا وجود حقیقی نہیں ہے بلکہ عکس یا ظل ہے وجود حقیقی کا جو حق تعالیٰ میں منحصر ہے اس مفہوم کے اعتبار سے وجود اصل ہے اور تمام ماہیات اشیاء اس کے عوارض ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وجود کے دو معنی ہیں۔

(۱) وجود بالمعنی مصدری بودن یا ہونا جب ہم یہ لفظ بولتے ہیں تو ہمارے ذہن میں ہستی یا ہونے کا ایک ایسا تصور پیدا ہوتا ہے جس کا خارج میں کہیں وجود نہیں ہے۔

(۲) وجود بمعنی موجود یعنی وہ شے جو موجود ہے یا قائم بالذات ہے اوپر یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ وجود جزئی حقیقی ہے اور ذات حق تعالیٰ میں منحصر ہے۔ پس حقیقی معنی میں موجود ہے جس قدر موجودات نظر آتے ہیں سب اس وجود مطلق کے تعینات میں یا عکوس و اظلال ہیں۔

یہ وجود مطلق، سراپا خیر ہے اور منبع خیر ہے، اور جسے وہ پسند کرے وہی خیر ہے۔ اور جسے ناپسند کرے وہ شر ہے چونکہ وجود خیر ہے اس لئے جو چیز بھی وجود سے فیض یاب ہے وہ بھی خیر ہے۔

پس حضرت انسان جس قدر وجود مطلق کا رنگ اپنے اندر پیدا کرے گا۔ اسی قدر خیر کا اطلاق اس پر ہو سکے گا، یا بقول اقبال ہم اسے محمود کہہ سکیں گے۔

گفتش موجود و ناموجود چیست

معنی محمود و نامحمود چیست

اس شعر میں اقبال نے معیار خیر و شر دریافت کیا ہے۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ جو موجود ہے وہی محمود ہے۔ اس نکتہ کو اچھی

طرح سمجھ لیجئیے۔

(۱) موجود وہ ہے جو امتحان میں کامیاب ہو جائے۔

(۲) اور جو کامیاب ہو جائے وہی محمود ہے۔

یعنی موجود محمود ہے اور ناموجود (عدم) نامحمود (شر) ہے بالفاظ دیگر وجود خیر ہے اور عدم شر ہے۔

علامہ اقبال کا یہ نکتہ کہ وجود منبع خیر ہے اور عدم منبع شر ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ مکتوب اول جلد ثانی میں آنجناب یوں رقمطراز ہیں۔

"وجود مبداء ہر خیر و کمال است، عدم منشاء ہر نقص و شرارت پس وجود مر واجب راثابت باشد جل سلطانہ، و عدم نصیب ممکن بود تا ہمہ خیر و کمال عائد باد باشد و ہمہ نقص و شر راجع باایں ممکن را وجود ثابت کردن و خیر و کمال راجع باد داشتن فی الحقیقت شریک کردن است اور ملک وملک حق جل سلطانہ۔"

ترجمہ: وجود ہر خیر و کمال کا مبداء ہے اور عدم ہر نقص و شر کا منشاء ہے پس وجود علی الخصوص واجب تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہے۔ (یعنی واجب تعالیٰ کے علاوہ کسی ممکن پر وجود کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اور ممکن کی ماہیت عدم ہے تاکہ خیر و کمال واجب الوجود سے منسوب ہو سکے اور نقص و شر ممکن الوجود کی طرف راجع نہ ہو سکے۔ ممکن کے لئے وجود ثابت کرنا اور خیر و کمال کو اس کی طرف راجع کرنا فی الحقیقت ممکن کو واجب کے ملک اور اس کی ملک میں شریک کرنا ہے۔ یعنی ممکن کے لئے وجود ثابت نہیں ہو سکتا ورنہ شرک فی الوجود لازم آجائے گا۔

(مکتوب اول جلد ثانی صفحہ ۴)

عرفا اور صوفیہ نے وحدۃ الوجود کے عقیدے کو مصلحتاً استعاروں کے پردوں میں چھپایا اس کی وجہ یہ ہے کہ تعبیر بذریعہ الفاظ بہت دشوار ہے۔ ذرا سی

بے احتیاطی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان اسلام سے خارج ہو کر کفر میں داخل ہو جاتا ہے اس لئے قرآن پاک نے اس حقیقت کو واشگاف بیان نہیں کیا بلکہ اشارات پر اکتفاء کیا ہے مثلاً

اللہ نور السموات والارض اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔

ھو الاول والاخرو الظاھر والباطن وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ جب اول بھی وہی ہے آخر بھی وہی ہے ہر شے سے ظاہر بھی وہی ہو رہا ہے اور ہر شے کا باطن بھی وہی ہے تو پھر اس کے سوا کائنات میں ہے کون۔ یہی وحدت الوجود ہے کہ اس کائنات میں حق تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی شے موجود نہیں ہے۔ مگر قرآن مجید نے اس بات کو صاف لفظوں میں بیان نہیں کیا کیونکہ کلام پاک صرف علماء کیلئے نہیں ہے بلکہ جہلا کے لئے بھی ہے۔ اور جہلا وحدۃ الوجود اور اتحاد الوجود میں فرق نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان کا گمراہ ہو جانا یقینی ہے۔

پھر غور کیجئے ایک انسان کی شخصیت کے دو ہی پہلو ہو سکتے ہیں ایک وہ جسے ظاہر کہتے ہیں دوسرا وہ جسے باطن کہتے ہیں۔ ظاہر وہ ہے جو آنکھوں سے نظر آسکتا ہے باطن وہ ہے جو نظر نہیں آسکتا۔

اسی طرح پھول کے دو پہلو ہیں ظاہری پہلو پتیاں جو مشہود ہیں باطنی پہلو اس کی حقیقت ہے جو غیر مشہود ہے اس پر ہر شے کو قیاس کر لیجئے۔ تمام اشیاء کے مجموعے کو کائنات کہتے ہیں۔ اور کائنات کے بھی دو پہلو ہیں ظاہری اور باطنی۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ کائنات کا ظاہر بھی اللہ ہے اور اس کا باطن بھی اللہ ہے۔ بالفاظ دیگر ظاہر بھی اللہ ہے اور باطن بھی اللہ ہے تو مطلب یہ ہوا کہ بس اللہ ہی اللہ ہے غیر اللہ کا وجود ہی نہیں ہے۔ اس لئے

اقبال کہتے ہیں ۔

از ضمیر کائنات آگاہ است
تیغ لا موجود از اللہ اوست!

یہاں ضمیر کائنات سے حقیقت کائنات مراد ہے یعنی اللہ اس کائنات کی حقیقت ہے۔اس کو قرآن حکیم میں یوں ارشاد فرمایا۔

اللہ نور السموات والارض یعنی اللہ نور ہے (حقیقت ہے) آسمانوں کا اور زمین کا۔

اس بات کو صوفیہ یوں بیان کرتے ہیں کہ وجود مطلق یعنی حق بشکل معلومات حق (اپنی معلومات کی شکل میں) ہر لحظہ ظاہر ہو رہا ہے اس ظہور کو کائنات کہتے ہیں یعنی کائنات حق تعالیٰ کی جلوہ گری کا دوسرا نام ہے۔ ان تصریحات کا مدعا یہ ہے کہ صوفیہ کا نظریہ قرآن کے نصوص اسلامی یعنی وحدۃ الوجود قرآن سے علیحدہ کوئی چیز نہیں ہے۔

دشواری یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ عوام وحدۃ الوجود اور اتحاد الوجود میں فرق نہیں کر سکتے۔ان کی عقول اس قدر تربیت یافتہ نہیں ہیں کہ وہ اس فرق کو سمجھ سکیں۔

"وحدۃ الوجود اور اتحاد الوجود کا فرق ہے"۔

وحدت الوجود یہ ہے کہ جسے تم کائنات کہتے ہو اس کی اپنی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یعنی یہ بذات خود موجود نہیں ہے یہ حق تعالیٰ کی جلوہ گری یا اس کے ظہور کا دوسرا نام ہے۔

اتحاد الوجود یہ ہے کہ پہلے کائنات کو موجود تسلیم کیا جائے پھر یہ کہا جائے کہ حق تعالیٰ اس کائنات میں جلوہ گرہ ہے،اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً زید یا بکر میں خدا جلوہ گر ہے۔ یہ عقیدہ سراسر غیر قرآنی ہے، کیونکہ یہ تو اتحاد ہے، حلول ہے

یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا زید سے متحد ہو گیا یا اس میں حلول کر گیا۔

یہ دونوں عقیدے صریحاً کفر اور الحاد ہے۔

صوفی تو کائنات کو سرے سے موجود بالذات مانتا ہی نہیں وہ تو صاف لفظوں میں یہ کہتا ہے کہ لا موجود الا اللہ جیسا کہ اقبال کہتے ہیں ۔

چساں مومن کند پوشیدہ را فاش
ز لا موجود الا اللہ دریاب

وہ کائنات کے وجود کو حقیقی تسلیم نہیں کرتا جو حلول یا اتحاد کا امکان ثابت ہو سکے جیسا کہ علامہ شبستریؒ کہتے ہیں۔

حلول و اتحاد ایں جا محال است
کہ در وحدت دوئی عین ضلال است

وحدۃ الوجود کے عقیدے کے مطابق دوئی (کائنات کا مستقل وجود) تو گمراہی ہے چونکہ یہاں دوسرا تو موجود ہی نہیں ہے جیسا کہ شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں۔

بلاشبہ حق تعالیٰ بذات خود دلیل ہے اپنی ذات پر اور اپنی الوہیت پر کیونکہ اس کے سوا دوسرا تو موجود ہی نہیں ہے اور بلاشبہ یہ عالم کچھ نہیں ہے مگر تجلی ہے حق تعالیٰ کی ان اعیان ثابتہ کی صورت میں جن کا وجود اس کے بغیر محال ہے۔

حق تعالیٰ کی حقیقت وجود ہے اور ممکنات کی حقیقت عدم ہے یعنی حقیقت صرف اللہ کی ہے ممکنات کی تو کوئی حقیقت ہی نہیں ہے کیونکہ وہ ہوں تو ان کی کوئی حقیقت بھی ہو۔

کائنات کا اپنا کوئی وجود نہیں ہے کیونکہ خدا کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں ہے یعنی لا موجود الا اللہ اور یہی وحدت الوجود ہے اور قرآن پاک کی اس آیۃ کل شئی ھالك الا وجھه کا بھی یہی مطلب ہے یعنی ذات خداوندی کے علاوہ ہر شے ہالک (عدم) ہے۔

مرشدی رومیؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ؎

جملہ معشوق است و عاشق پردہ
زندہ معشوق است و عاشق مردہ

یعنی یہ کائنات (جملہ) دراصل ظہور ایزدی ہے یا یوں سمجھو کہ معشوق (خدا) بہ لباس عاشق جلوہ گر ہے اور وہی موجود (زندہ) ہے عاشق (کائنات) معدوم (مردہ) ہے۔

یعنی در حقیقت عاشق (ممکنات) کے پردہ میں معشوق (حق تعالیٰ) ہی جلوہ فرما ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو کہ ممکنات (عاشق) دراصل مردہ ہیں۔ صرف حق تعالیٰ (معشوق) ہی زندہ ہے۔

ان اشعار میں مولانا نے در پردہ وحدۃ الوجود یا ہمہ اوست کی تعلیم دی ہے اس کا ثبوت یہ ہے۔

کہ جملہ معشوق است کی ترکیب پر غور کرو معشوق کی بجائے او پڑھو است کو علیحدہ رہنے دو تو جملہ معشوق کو دوسرے لفظوں میں ہمہ اوست پڑھ سکتے ہو۔ یعنی مولانا نے ہمہ اوست کی بجائے جملہ معشوق است کہہ دیا ہے۔

اسی مضمون کو عارف جامی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں ادا کیا ہے"

ہمسایہ و ہمنشیں و ہمرہ ہمہ اوست — در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست
در انجمن فرق و نہانخانہ جمع — باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

تاکہ کسی کو مغالطہ لاحق نہ ہو، یہ صراحت کیے دیتا ہوں کہ اسلامی عقیدہ وحدۃ الوجود یا ہمہ اوست کی تعلیم یہ ہے کہ حق تعالیٰ باعتبار وجود بلاشک عین موجودات ہے کہ کیونکہ غیر اللہ کا تو وجود ہی نہیں ہے۔ وجود واحد ہے اور وہ ذات حق میں منحصر ہے۔ یہی معنی ہیں وحدۃ الوجود کے یعنی وجود واحد ہے اور وہ ذات حق میں منحصر ہے۔ یہی معنی ہیں وحدۃ الوجود کے یعنی وجود کی وحدت بالفاظ

دیگر۔ "لا موجود الا اللہ" لیکن حق تعالیٰ باعتبار ذات غیر موجودات ہے کیونکہ تمام موجودات (جملہ مخلوقات) "ممکن" ہیں اور حق تعالیٰ واجب ہے ممکن کی ذات کا تقاضہ احتیاج یا فقر ہے جب کہ واجب کی ذات کا تقاضا غنا یا صمدیت ہے چنانچہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

والله الغنی وانتم الفقراء

اے لوگو! اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے یعنی اسے کسی شے کی مطلق احتیاج نہیں ہے۔ اور تم سب فقیر ہو یعنی محتاج ہو۔ اسی لئے عرفا نے متنبہ کر دیا ہے کہ ہمہ اوست کہنا تو صحیح ہے مگر ہر یک اوست کہنا کفر اور ضلالت ہے۔ یہ وہ نکتہ ہے جس کی بناء پر قرآنی عقیدہ وحدۃ الوجود یا ہمہ اوست تمام غیر اسلامی عقائد سے متمیز ہو جاتا ہے۔

قرآن نے وحدۃ الوجود کی تعلیم دی ہے نہ کہ اتحاد الوجود کی۔ اسی باریک فرق کو نہ سمجھنے یا مد نظر نہ رکھنے کی وجہ سے اکثر اشخاص شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔

شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ یا مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ یا عارف جامی رحمۃ اللہ علیہ یا ملا بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ یا مولانا فضل الحق خیر آبادی اور ان کے شاگردوں نے وحدۃ الوجود کی تعلیم دی ہے نہ کہ اتحاد الوجود کی اور اتحاد الوجود یا حلول قرآن وحدیث دونوں کی رو سے سراسر کفر و زندقہ ہے۔

فتاویٰ عزیزیہ جلد اول، صفحہ ۵۴ پر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ۔

وحدۃ الوجود کے قائل کو کافر کہنا، اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا، اس سے مناکحت نہ کرنا، اس کا ذبحہ نہ کھانا ہرگز روا نہیں بلکہ اس کو مسلمان سمجھے اور اس کے ساتھ ابتداء بالسلام، جواب عطسہ، عیادت مریض، شہود جنازہ لازم ہے لیکن

وحدۃ الوجود کا اعتقاد اسلام کی ضرورت میں داخل نہیں اگر کوئی اس کا معتقد نہ ہو اور نہ سمجھے تو اس کے اسلام میں کوئی نقصان نہیں۔ لیکن جو بزرگان اس مسئلہ کے قائل ہیں ان کے حق میں نازیبا کلمات کہنا اور ان کی تنقیص سے احتیاط لازم ہے۔ اور عوام الناس کو واجب ہے کہ اس مسئلہ میں اثباتاً یا نفیاً کوئی بات منہ سے نہ نکالیں اور اس کے بارے میں بحث نہ کریں کہ فساد عقیدہ کا اندیشہ ہے۔

بالبے دم ساز خود گر جفتمے
ہمچو نے من گفتنیھا گفتمے

مثنوی میں مولانا روم فرماتے ہیں کہ اگر اپنے کسی دم ساز کو میں تلاش کر پاتا اپنے دل کی باتیں اس سے کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ اسرار عشق جو کہ عوام کی سمجھ سے بالاتر ہیں ان کو عام لوگوں کے سامنے بیان کرنے سے عوام کی غلط فہمی کے باعث الحاد و زندقہ کے خیالات پیدا ہونے کا احتمال ہے اس لئے مولانا تمنا کرتے ہیں کہ کاش ہم کو کسی اپنے ہم خیال سے اور صاحب فراست سے ہمکلام کرنے کا موقع ملتا جو کہنے کی باتیں ہیں ان سے دل کھول کر کہہ لیتے اس کا ماحصل یہی ہے کہ ایسے دقیق مسائل عوام کے سامنے بیان کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔

شیخ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فتوحات کے باب نمبر ۵۱ میں فرماتے ہیں کہ عوام درکنار علمائے ظاہر ہر زمانہ میں صوفیہ کے کلام کے سمجھنے میں توقف کرتے رہے ہیں اور بعض عارفین کا قول ہے کہ ہم وہ لوگ ہیں کہ ہماری کتابوں کا مطالعہ کرنا ایسے شخص پر حرام ہے جو ہمارے طریق پر نہ ہو۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ معارف و حقائق کے لیے مدارج ہیں جو ہر ایک نااہل کی مجلس میں قابل بیان نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ خاص خاص معارف و حقائق کے بیان کرتے وقت بجز

مسترشدین اہل مقام کے دوسروں پر مکان کا دروازہ بند کر دیا کرتے تھے کیونکہ نااہل لوگ قصور فہم کی وجہ سے فی الفور تکذیب و تکفیر پر آمادہ ہو جایا کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ بعض آثار میں وارد ہوا ہے۔ **تکلموا الناس علی قدر عقولھم** یعنی لوگوں سے ان کے مدارج عقول کو ملحوظ رکھ کر خطاب کیا کرو جس کو وہ سمجھ سکیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ توحید ذات باری اور مبداء و معاد عالم اور عالم ملکوت اور حقیقت روح وغیرہ مسائل دقیقہ وعمیقہ کے متعلق عوام الناس میں ہرگز کوئی بحث نہیں کرنی چاہیے ورنہ بجائے فائدہ کے لوگوں کے اعتقادات میں تزلزل اور فساد واقع ہو گا۔

یہاں اس امر کی و . حت ضروری ہے کہ بعض حضرات کے کلام سے عام اس دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ مخلوق کی شکل میں حلول کرتا ہے یا اس کے ساتھ متحد ہے یا اس کا بالکل عین ہے جس میں الجھ کر بعض صوفیہ غلط عقیدہ قائم کر کے کفر تک میں مبتلا ہو جاتے ہیں لہٰذا اس قسم کا عقیدہ رکھنا زندقہ اور ضلالت ہے۔

المختصر اس جہان کو اپنے خالق کے ساتھ وہی نسبت ہے جو مصنوع کو اپنے صانع کے ساتھ ہے اس کا عین اور اتحاد نہیں ہے بلکہ وہ ذات حق ہر مقام سے وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔

وحدۃ الوجود کے متعلق علمائے کرام اور مشائخ عظام کا عقیدہ مندرجہ ذیل ہے۔ جو کہ کتاب "عقائد نامہ مسلمانان اہل سنت والجماعت" مرتبہ علمائے کرام و مشائخ عظام انجمن نعمانیہ ہند (صدر مقام لاہور) سے ماخوذ ہے۔

وحدۃ وجود حسب تقریر محققین حق ہے۔ شریعت حقہ کے کسی اصل کے منافی نہیں ہے۔ فرق مراتب و حفظ احکام ضروری ہے۔ جو صفات مستلزم

مرتبہ الوہیت کے ہیں ان کا مراتب سافلہ پر اطلاق کرنا وبالعکس کفر ہے۔ جس طور پر یہ مسئلہ اکابر اسلام پر مکشوف ہوا ہے اور اولیائے متشرعین نے حتی الامکان بیان فرمایا ہے کہ بحفظ حدود شرعی اس پر اعتقاد رکھنا باعث تکمیل ایمان اور اس کا انکار خسران و حرمان ہے۔

ترے نام سے ابتدا کی تھی ہم نے
کرم کر دیا انتہا ہو گئی ہے

ربنا لاتواخذنا ان نسينا او اخطانا وصلى الله على خير خلقه محمد وعلى اله واصحابه اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين . آمين.

☆

رسالہ ہذا تقریر خاص الخاص ہے - استعداد علمی اکرام کے
کمل دعوے ہیں وحدۃ الوجود کو ثابت کرنے کے
اور وحدۃ الشہود کے ساتھ یکجان کیا ہے
خداوند کریم
اس کی دعا کو قبول فرمائے

19/10

"ماخذ"

☆ کشف المحجوب — حضرت شیخ علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ
☆ تذکرۃ الاولیاء — حضرت مولانا فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ
☆ نفحات الانس — حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ
☆ رسالہ قشریہ — حضرت امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری رحمۃ اللہ علیہ
☆ صفات الصوۃ — محمد اسماعیل شطاری میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ
☆ طبقات الکبریٰ — حضرت شیخ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ
☆ اسمار الاسرار — خواجہ خواجگان دکن حضرت خواجہ صدر الدین ابو الفتح سید محمد حسینی گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ
☆ تحفہ مرسلہ شریف — حضرت شیخ ابو سعید محمد مبارک بن شیخ علی جیلانی رحمۃ اللہ علیہ
☆ الحکایۃ فی المکتوب — الشیخ حضرت میاں علی محمد خاں صاحبؒ چشتی نظامی
☆ شرح جاوید نامہ — پروفیسر یوسف سلیم چشتی
☆ تاریخ بغداد — حافظ ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی
☆ ذکر حبیب — ملک محمد الدین
☆ گلزار مدینہ المعروف بہ شمشیر بدیع — سید محمود علی مائل
☆ کارنامہ بزرگان ایران — نشریہ ادارۂ کل انتشارات ریویو

--	مرج البحرین	حضرت شیخ عبدالحق محدث و محقق دہلویؒ
☆	حسین بن منصور حلاج	علامہ سید سلیمان ندویؒ
☆	احکام شریعت	اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
--	الملفوظ	" "
--	رباعیات سرمد	حضرت سرمد شہید رحمۃ اللہ علیہ

دیگر کُتب

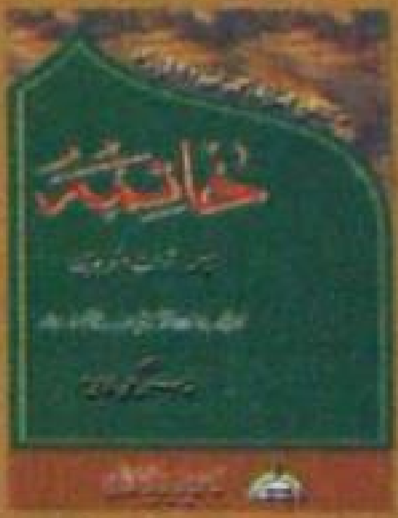

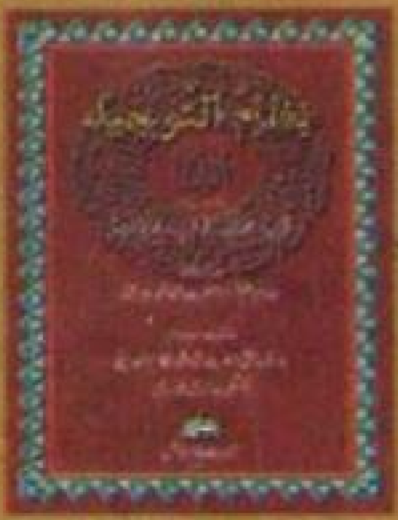

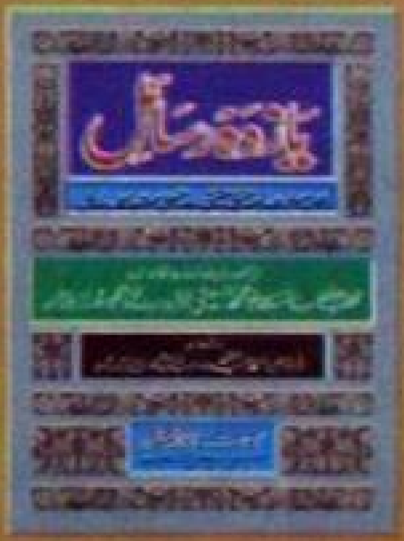

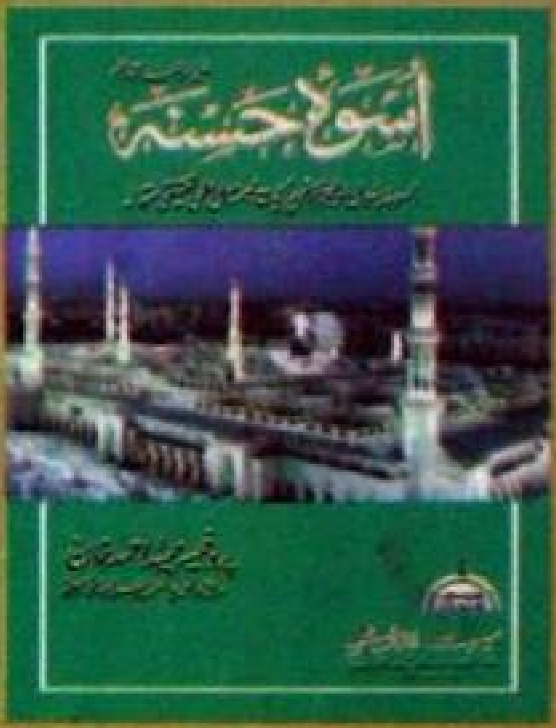

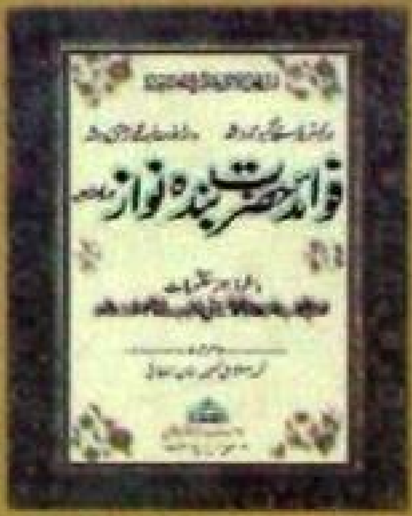

ملنے کا پتہ: **دربار بُک شاپ**

دربار مارکیٹ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور